ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

Reg: SR - 01

Reg: CPL No: 80

OCTOBER 2008

اکتوبر
2008

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

الله

صداقت

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃ فَاذْکُرُ اللّٰہَ
قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ط

(النساء۔103)

”جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو، کھڑے
اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے“۔

رحمٰن کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز لوہا بازار گوجرانوالہ :0300-7409775

ماہنامہ گوجرانوالہ

فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاری** رحؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
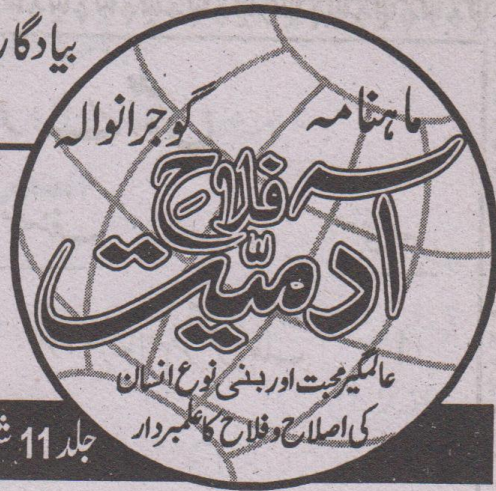
جلد 11 شمارہ 1 اکتوبر 2008ء شوال 1429ھ

ایڈیٹر **وحید احمد**

سرکولیشن مینجر **میاں علی رضا**

قیمت ———— 20/- روپے　　سالانہ فنڈ ———— 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: info@toheedia.net

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

﴿ تحریر: ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ ﴾

الحجر

نام

قوم ثمود کے تذکرے کی مناسبت سے علامتی نام ''الحجر'' رکھا گیا۔

زمانہ نزول

یہ سورۃ نبوت کے ابتدائی مگر دوسرے دور میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کا اندازہ درج ذیل آیت مبارکہ سے ہوتا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کیلئے خصوصی خطاب ہے۔

فاصدع بما تومر

''جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اُسے کھول کر بیان کریں'' (الحجر:95)

مضامین

اس سورۃ میں دو مضامین بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مضمون خاص کفار کیلئے اور دوسرا نبی اکرمؐ کی تسلی و تشفی کیلئے ہے۔

پہلا مضمون۔ خاص کفار کیلئے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

انا کفینٰك المستهزء ین o

''بلاشبہ ہم آپ کی طرف سے دین کا مذاق اُڑانے والوں کیلئے کافی ہیں''۔ (الحجر:95)

اس آیت میں کفار کیلئے زجر و توبیخ کے الفاظ ہیں کہ دعوتِ حق کو قبول کرنے کی بجائے استہزاء کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ خود کافی ہے اور وہ خاص عذاب کے مستحق ہوں گے۔

دوسرا مضمون: نبی اکرم ﷺ کی تسلی و تشفی کیلئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولونo (الحجر:97)

''اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں کے سبب آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے''۔

یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی اور تسلی کیلئے نازل فرمائی گئی۔

ان دونوں خصوصی مضامین کے ساتھ ساتھ نصیحت اور تفہیم بھی ہے جس کیلئے توحید پر اشارتاً دلائل اور اقوام سابقہ کے واقعات بطور شہادت بیان کئے گئے ہیں۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الر تلك ايت الكتب و قران مبينo

''یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیات ہیں''۔ (الحجر:1)

انسانی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ

اس سورہ میں جو چیز سب سے اہم دکھائی دیتی ہے، وہ صرف قرآن مجید ہی کے بارے میں نہیں بلکہ دین کی محافظت کے سلسلے میں بھی ایک تاریخی اور یادگار قول ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا عہد ہے۔

انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحفظونo

''ہم ہی نے اس نصیحت کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''(الحجر:9)

یہ بات انسانی قوت سے باہر ہے کہ کسی کتاب یا دستاویز کو ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھنے اور تبدیلی سے دور رکھنے کا دعویٰ کرے۔ اکیلا انسان تو کیا دنیا کی سب حکومتیں مل کر بھی کسی دستاویز کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتیں کہ سینکڑوں اور ہزاروں برسوں کے بعد بھی یہ دستاویزات (Documents) بغیر کسی تبدیلی کے باقی رہیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں سینکڑوں نبی آئے مگر کسی کی تعلیمات تحریف سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ تین سو چودہ رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی کتب سمیت بھیجے گئے، مگر حضرت محمد ﷺ سے پہلے جتنے رسول بھی آئے، نہ ان کی تعلیمات محفوظ رہ سکیں نہ ان کی زندگی کے حالات اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ کتابیں۔ تمام

مقدس کتابوں میں تحریف کردی گئی اور یہ پہچاننا مشکل ہوگیا کہ ان کتابوں میں اللہ کا کلام کونسا ہے اور اضافہ شدہ کلام کونسا۔

یہ تو حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک مقدس کتابوں کے بارے میں تاریخی ریکارڈ تھا جس کی رو سے کسی کتاب کا، خواہ وہ آسمانی ہو یا انسانی، محفوظ رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

دوسری طرف حضور ﷺ کے زمانے میں پورے جزیرۃ العرب میں چند گنتی کے انسان تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ کسی دستاویز کو محفوظ رکھنے کیلئے جن جن ذرائع واسباب کی ضرورت ہو سکتی تھی، ان میں سے کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔

آج کے اس جدید دور میں تو ہمارے پاس سب کچھ ہے، بنک لاکرز، لائبریریاں، عجائب گھر، تعلیمی و تحقیقی ادارے، ریکارڈنگ کا سامان، ویڈیو فلمیں، مائیکرو فلمیں، پریس میڈیا، غرضیکہ کونسی چیز ہے جو ہمیں میسر نہیں ہے؟ لیکن ایمانداری کی بات ہے کہ ہم کیا دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں اور حکومتیں مل کر بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتیں کہ ان کی فلاں دستاویز وقت کی دستبرد سے محفوظ رہے گی۔ ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی وہ بلاتحریف موجود و باقی رہے گی۔ دستاویز کو تو ہم کیا محفوظ کر سکیں گے، ہم تو اس زبان کو ہی محفوظ نہ رکھ سکیں گے جس میں یہ دستاویز لکھی گئی ہوگی، پانچ چھ سو سال کے بعد وہ زبان ہی ناپید ہو جائے گی، دستاویز کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔

معلوم ہوا کہ کسی بھی کتاب یا دستاویز کو محفوظ کر لینے کا دعویٰ آج بھی ہمارے لئے ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ انسانی اختیار سے بہت بلند و برتر ہے۔ دراصل یہ انسانی دعویٰ ہے ہی نہیں! اب غور کیجئے کہ ڈیڑھ ہزار سال جزیرۃ العرب میں جب مذکورہ بالا جدید دور کی سہولتوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی موجود نہ تھی جو قرآن مجید کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہو سکتی۔ لیکن قرآن مجید کے متعلق یہ دعویٰ ایک نہیں کئی جگہ خود قرآنِ مجید کے اندر ہی موجود ہے اور یہ دعویٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے کہ یہ میں نے نازل کیا ہے اور میں اس کی مکمل حفاظت کروں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے اور غیر مسلم بھی اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی حفاظت کی گئی ہے، اس کا متن بالکل وہی ہے جو آج سے تقریباً

1400 (چودہ سو سال) قبل حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ کیا یہ بات انسانی تاریخ بلکہ انبیاء کی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ نہیں کہ وہ کام جو ہم آج سائنسی دور میں کرنے سے قاصر و عاجز ہیں، ایسے دور میں کر کے دکھا دیا گیا جسے سائنسی یا ترقی یافتہ دور نہیں کہا جا سکتا۔ ایک انتہائی حیرت ناک ناقابل عمل اور غیر انسانی دعویٰ جسے گزشتہ چودہ سو سال کی تاریخ نے سو فیصد سچ کر کے دکھا دیا۔ وہ کام جسے آج دنیا کے سارے ترقی یافتہ انسان اور ان کی حکومتیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں، ڈیڑھ ہزار سال قبل صرف ایک شخص کی زبان سے اس کا ظہور ہوتا ہے اور بالکل پتھر پہ لکیر ثابت ہوتا ہے۔ کیا اس سے زیادہ عظیم معجزہ کسی کے تصور میں آ سکتا ہے؟ یہ دائمی معجزہ ہر مسلمان کے گھر میں اور ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔

الذکر سے مراد قرآن و سنت دونوں ہیں

قرآنِ مجید میں ''الذکر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی پیغام، نصیحت اور دین ہے۔ ''الذکر'' سے مراد قرآنِ مجید بھی ہے اور سنت طیبہ بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کی حفاظت کی ہے بلکہ اس کے معنی کی بھی حفاظت کی ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید کے معانی سنت اور حضور ﷺ کی سیرت کے اندر موجود ہیں جو کتب احادیث میں مدون ہیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث تو ضعیف بھی ہیں اور صحیح بھی! بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں جتنی تحقیق حدیث کے فن پہ کی گئی ہے، آج تک کسی اور فن پہ اتنی محنت نہیں کی گئی ہے۔ یعنی دس لاکھ محدثین ہمارے سامنے موجود ہیں جنہوں نے احادیث کو منتقل کیا اور ایک ایک حدیث کو اس طرح چھان پھٹک کے ہمارے سامنے پیش کیا کہ اس میں غلط حدیث کی ملاوٹ کا ایک فیصد امکان بھی نہیں ہے۔ اس بات کا امکان تو ہے کہ بہت سی صحیح احادیث بر بنائے احتیاط ضعیف اور موضوع احادیث کے زمرے میں ڈال دی گئی ہوں مگر اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ کوئی ضعیف یا موضوع حدیث صحیح احادیث کے مجموعے میں راہ پا جائے۔ اور پھر قرآن خود کہتا ہے:۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر واضح طور پر بیان کردیں جو ان پہ نازل کیا گیا ہے''۔ (النحل:44)

معلوم یہ ہوا کہ جو نازل کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی ایک ذکر اللہ نے حضور اکرم ﷺ پر نازل کیا ہے اور یہی وہ ''الحکمت'' ہے جو قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہے، اور یہی سیرت وسنت ہے۔ خود قرآن سے ثابت ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تو وہ وحی جو قرآن کی شکل میں موجود ہے اور دوسرے وہ حکمت جو حضور اکرم ﷺ کے دل پر القاء کی گئی ہے، دونوں کو''الذکر'' کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔اس لئے کہ وہ الفاظ کی بجائے حضور ﷺ کی عملی زندگی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کی بھی حفاظت کی گئی ہے جو مصحف کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اس کے معانی کی بھی حفاظت کی گئی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور احادیث کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہر دور کے کفار نبی کی زندگی اور اس کے شعور کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرتے اور پھیلاتے تھے۔آئندہ آیات میں انہی کفار کے کردار کو بالتفصیل بیان کر کے مختلف ادوار میں اُتارے گئے عذابوں کا ذکر ہے۔جنات کی شرارتوں کی تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کیلئے مشاہداتی دلائل مذکور ہیں اور پھر حشر کے مناظر عبرت وموعظت کا کاسامان لئے ہوئے ہیں۔

ابلیس کا اولادِ آدم کو کھلا چیلنج

جنات اور انسانوں کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق، آدم علیہ السلام کی عظمت وبرتری اور شیطان کے مردود ہونے کے ذکر کے ساتھ اولادِ آدم کو واضح طور پر بتایا کہ شیطان نے قیامت تک مہلت طلب کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بات کہہ دی تھی کہ میں اس اولاد کو گناہ آراستہ وپیراستہ شکل میں دکھا کر راہِ حق سے بہکاتا رہوں گا۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب اور قدسی نفس بندوں کی صفات واضح فرما دیں تا کہ بعد کے انسان اس راہ پر چل کر گمراہی سے بچ سکیں ۔

درج ذیل آیات میں ہمارے کھلے دشمن کا ذکر ہے کہ کس طرح اس نے ہمیں بھکانے کیلئے مہلت مانگی ہے ۔ ان آیات میں غور وفکر کے کئی پہلو ہیں :۔

قال یا بلیس مالک الا تکون مع السجدین o

قال لم اکن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حما مسنون o

قال فاخرج منها فانک رجیم o

وان علیک اللعنة الی یوم الدین o

قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون o قال فانک من المنظرین o

الی یوم الوقت المعلوم o قال رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض ولا غوینهم اجمعین o

الا عبادک منهم المخلصین o قال هذا صراط علی مستقیم o

ان عبادی لیس لک علیهم سلطن الا من اتبعک من الغوین o

’’رب نے پوچھا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا ۔ اُس نے کہا کہ میرا یہ کام نہیں کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ۔ رب نے فرمایا: اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے اور اب روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے ۔ اُس نے عرض کیا: میرے رب! یہ بات ہے تو پھر مجھے اس روز تک کیلئے مہلت دے جبکہ سب انسان دوبارہ اُٹھائے جائیں گے! فرمایا اچھا تجھے مہلت ہے ۔ اس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے ۔ وہ بولا! میرے رب! میں اب زمین میں انسان کیلئے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا، سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خاص کر لیا ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے ۔ بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں، ان پر تیرا بس نہ چلے گا ۔ تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں

گئے"۔ (الحجر:32-42)

اس آیت پہ فدا ہونے کو جی چاہتا ہے جس میں فرمایا کہ یہ وہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ دُعا کریں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ راستہ ہمیں نصیب کرے اور ہم سیدھے اپنی منزل مقصود یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ گرامی تک پہنچ جائیں۔

تیرا ملنا، ترا نہیں ملنا
اور جنت ہے کیا؟ جہنم کیا؟

ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو محشر میں کیا ہو گا
ہم اس کو دیکھتے ہوں گے وہ ہم کو دیکھتا ہو گا

ہستی و نیستی کی حدیں دور رہ گئیں
یہ آ گیا کہاں میں تجھے ڈھونڈتا ہوا

دیکھ لینے کو تیرے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے

انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا ہے۔ اس کا قرب، اس کا دیدار اور اس کی رحمت ومحبت ہی سب کچھ ہے۔ دل والے جب یہ آیت پڑھتے ہیں کہ "دیکھو یہ راستہ سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے" تو فرطِ محبت سے ان کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ یہیں سے ایک عارف کو اس کی اصل منزل کا پتہ چلتا ہے کہ اس کی اصل منزل ذاتِ الٰہی ہے نہ کہ حور وقصور!

اس اعلان اور حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دینے کے بعد مغضوب علیہم اقوام کا ذکر ہے جس میں قوم لوط، قوم شعیب اور قوم ثمود پر اُتارے گئے عذاب کی تفصیل ہے۔

اِسی سورۃ میں امت مسلمہ پر اتارے گئے ایک عظیم انعام کا ذکر ہے:۔

ولقد اتینك سبعا من المثانی والقران العظیمo

لا تمدن عینیك الی ما متعنا به ازواجا منهم ولا تحزن

علیهم واخفض جناحك للمومنینo

''ہم نے آپ کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دوہرائی جانے کے لائق ہیں اور آپ کو قرآنِ عظیم عطا کیا ہے۔تم اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ اس کے حال پر اپنا دل کڑھاؤ۔اِنہیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں سے شفقت فرمائیے'' (الحجر:87-88)

ائمہ مفسرین کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ ان سات آیتوں سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔جو ہر نماز میں بار بار پڑھی اور دوہرائی جاتی ہے اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو تسلی دلانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ سردارانِ قریش کی پر آسائش زندگی کی طرف مت توجہ دیں کیونکہ جو نعمت آپ کو اور آپ کے توسط سے اہل ایمان کو ملی ہے یعنی دولت ایمان اور عرفان الٰہی ، یہ سب سے بڑی دولت ہے اور یہ دولت اس قابل ہے کہ اسی پر رشک کیا جائے کیونکہ آخرت میں یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔اور پھر آپ کو اس نعمت کے عام کر دینے کیلئے یہ حکم ملا:

فاصدع بما تومرo

''جو حکم آپ کو رب کی جانب سے ملا ہے، یہ سب کو سنا دو'' (الحجر:94)

اور اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات کا حل یہ ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کثرت سے کریں تا کہ اس کے ذریعہ آپ کو روحانی و قلبی تسکین و قوت حاصل ہو سکے۔

نبی اکرم ﷺ کے توسط سے یہ حکم ہم اہل اسلام کو ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں یہ راستہ نصیب فرمائے۔آمین!

قندمکرر

تعمیر ملت اور اقامت دین

﴿تحریر:محمد حسین﴾

نہ ہو جلدل تو حسن و جمال بے تاثیر
نرا نفس ہے، اگر نغمہ ہو نہ آتشناک

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حکیم اور دانا و بینا ہے۔اصلاح انسانیت کے لئے مطلوب سب کی سب حکمت ودانائی پرمبنی باتیں قرآن پاک میں جمع فرمادیں۔قرآن پاک کاموضوع ہی انسان اور اصلاح انسان ہے۔قرآن پاک کی آیات اور نفس وآفاق میں بکھری اللہ کی نشانیاں (آیات) بلکہ سارے کا سارا کارخانہ قدرت اصلاح انسانیت یا تکمیل انسانیت کے لئے محوخرام ہے۔کتاب اللہ ایک بحرِ بے کراں ہے جو حکمت کے موتیوں سے لبریز ہے۔ہر ہر لفظ بلکہ، ہر ہر حرف ایک انمول ہیرا ہے، ہر مشکل کا حل، ہر مرض کی دوا اور شے کا ذکر اس میں موجود ہے، یہ ہم مسلمانوں کا ایمان ہے۔صحابہؓ میں سے قرآن کا علم کثیر رکھنے والے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اونٹ کی اگر نکیل گم ہوجائے تو وہ بھی میں قرآن ہی سے ڈھونڈتا ہوں۔اب اگر ہم اپنی کم فہمی یا معصیت کی بناپر کلام اللہ کے نکات سمجھنے سے قاصر ہیں تو یہ ہماری اپنی کوتاہ نظری کا قصور ہے۔اللہ کا کلام تام ہے اور کمی سے پاک ہے۔

ایک دفعہ ایک غیر مسلم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے پاس آیا اور کہا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ قرآن پاک میں ہر شے کا علم ہے تو مجھے اس میں سے سونا بنانے کا نسخہ ڈھونڈ کر بتاؤ۔تو آپ نے تین دن کی مہلت مانگی اور ساتھ ہی کہا کہ اگر میں مطلوبہ نسخہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا تو تم مسلمان ہوجانا اگر میں ناکام ہوجاؤں تو اس کو میری کم فہمی پر محمول کرنا۔قرآن پاک پر الزام نہ دھرنا۔انہی سچے موتیوں کو حضور نبی پاک ﷺ نے نبوت کی زبان فیض رساں سے عوام الناس، خواص اور خواص الخواص ہر ایک کی فہم کے مطابق احادیث کی صورت میں نئے رنگ سے سجایا مثلاً قرآن پاک میں ہے ”اللہ تعالیٰ تک نہ قربانی کے جانور کا گوشت اور نہ خون پہنچتا ہے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے“ اسی حقیقت کو رسول پاک ﷺ نے یوں فرمایا ”اعمال کا دارومدار نیتوں پر

ہے‘‘ گویا یہ ایک سمندر ہے جو حکمت کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ نبی پاکﷺ یہ دونوں بحارنا پیدکنارامت کی رہنمائی کے لئے چھوڑ گئے جن کے متعلق آپﷺ نے فرمایا کہ میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑے جارہاہوں ایک قرآن پاک اور ایک اپنی سنت یعنی احادیث مبارکہ، ان دونوں کو اگر مضبوطی سے تھامے رہو گے تو دنیاو آخرت میں سرخرو رہو گے۔ درحقیقت قرآن مجیداوراحادیث مبارکہ دونوں ایک ہی اصل کی دو فروع ہیں کیونکہ حدیث پاک بھی وحی کی ہی ایک قسم ہے جسے وحی خفی یا غیر متلو کہتے ہیں جب کہ قرآن حکیم کو وحی جلی یا متلو (تلاوت کی جانے والی) کہتے ہیں۔ مگر حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے درمیان ایک ایسا امتیازی خط کھینچ دیا گیا ہے کہ ہزاروں برس گزرنے کے باوجود حکمت کے دونوں سمندر ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں مگر مجال ہے کہ ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائیں۔ اس حقیقت پر قرآن کریم کی سورہ الرحمٰن کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ بڑی خوبصورتی سے منطبق ہوتی ہیں۔

مرج البحرین یلتقین o بینهما برزخ لا یبغین o فبای الا ربکما تکذبن o یخرج منهما اللولو والمرجان o

’’اس نے دو سمندر جاری کئے یا بہائے جو کہ ملے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان ایک پردہ (روک) ہے کہ وہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے‘‘ اور یہ یہی سمندر ہیں جو نبیﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ نے جاری فرمائے۔ حکمت کے انمول لعل و جواہر سے بھرے ہوئے ہیں مگر جدا جدا ہیں۔ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ پاک نے لیا انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون o ابد آباد تک اس میں کوئی چیز شامل نہیں ہو سکتی۔ حدیث کے موتیوں میں بعض باطینوں نے سنگریزے ملانے کی کوشش کی مگر حضور ختمی مرتبتﷺ کے غلاموں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا فہم عطا فرمایا کہ انہوں نے فن حدیث کی چھلنی سے صدف کو خزف سے، ہیرے کو پتھر سے اور در کو شبہ سے الگ کر دیا۔ مولانا جلاالدین سیوطی تاریخ خلفا میں بیان کرتے ہیں کہ ایک زندیق گرفتار ہو کر خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے پیش ہوا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس پر زندیق نے کہا مجھے تو قتل کروادو گے ان ہزاروں حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع

کر کے لوگوں میں پھیلا دی ہیں۔خلیفہ نے کہا اے دشمن خدا ابواسحاق فزاریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے ہوتے ہوئے اس کا بالکل خوف نہیں وہ اصول حدیث پر کس کر ایک ایک غلط ملط نکال باہر کریں گے۔حضورﷺ کے بعد صحابہ اکرام،تابعین، تبع تابعین، آئمہ فقہ،صوفیہ اکرام اور اولیاء عظام نے حکمت کے انہی دو سمندروں میں غوامی کی۔اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق یاقوت ومرجان چن چن کر فقہ اکبر،موطا،روح البیان، کیمیائے سعادت،مثنوی ومعنوی،کشف المحجوب،غنیتہ الطالبین،حجتہ اللہ البالغہ،اسرار خودی،رموز بے خودی،تعمیر ملت اور بے شمار دوسری تصانیف کی صورت میں امت مرحومہ کی رہنمائی کے لئے جواہر پارے ترکہ میں چھوڑے۔مطلب ساری بحث کا یہ ہے کہ حکمت و دانائی کی ساری باتیں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوچکیں،اب تو جو کچھ لکھا جا رہا ہے یا لکھا جائے گا انہی کی خوشہ چینی ہوگی۔مگر یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں اسے بھی وہی کرسکتا ہے جو تمام علوم شرعیہ پر قدرت رکھتا ہو۔قرآن وحدیث کے اسرار ورموز سے واقف ہو،تقریر وتحریر میں صادق ہو،ذکی الفطرت اور ذہین ہو،عبارت کی تزئین اور کلام کے حسن سے شناسا ہو مافی ضمیر کے بیان کے لئے الفاظ اس کے آگے صف باندھے کھڑے ہوں اور وہ ان کے صحیح انتخاب میں دسترس رکھتا ہو۔مگر یہاں تو یہ ہے کہ دل ودماغ میں لغو خیالات کے جھکڑ چل رہے ہیں۔اگر کوئی اڑتی ہوئی بات ذہن میں آ گئی تو بیان کے لئے الفاظ ندارد اگر کوئی لفظ کہیں سے پڑھ لیا یا سن لیا معنی عنقا،لغات میں مطلب دیکھا تو عبارت میں فٹ نہیں۔گو اس بحر کا شناور نہیں مگر **لا تقنطو من رحمت اللہ** کے بھروسے پر غوطہ لگا دیا ہے۔تعمیر ملت،اقامت دین اور غلبہ دین حق ایک ہی حقیقت کے مختلف عنوان ہیں۔کیونکہ ملت کی تعمیر یا نشاۃ ثانیہ دین حق پر عمل پیرا ہونے سے ہوگی اور دین پر عمل اس وقت ہوگا جب دین تمام باطل ادیان پر غالب ہوگا اور یہی غلبہ اقامت دین ہے۔

اقامت دین

اقامت کا لغوی معنی کسی شے کو سیدھا کھڑا کر دینے کے ہیں مگر جب یہ کسی مجرد یا معنوی شے یعنی نظام نماز یا دین کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کا مفہوم ذرا وسیع ہو جاتا ہے۔مختصراً کسی شے کا پورا پورا حق ادا کرنے کو اس شے کی اقامت کہتے ہیں یعنی اس شے کا تاثر ہر وقت ہر حالت میں

دل ودماغ پر حاوی رہے۔اسی حکمت کے تحت نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ قائم کرنے کا حکم ہے۔جس کامطلب یہ ہے کہ جو کیفیت نماز کے اندر مطلوب ہے۔حضر میں،خلوت میں،جلوت میں،غرضیکہ ہرلحہ یہی نماز مومن کی معراج ہے۔معراج کا لغوی معنی عروج ہے مگر تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد حضوری حق ہے۔جیسا کہ سرکار ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ نماز میں ایسی کیفیت ہونی چاہیے کہ نمازی اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یہ نہیں تو کم از کم یہ ہونا چاہئے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔یہی کیفیت ہر وقت ہر میدان میں ہونی چاہیے۔جب یہ حالت قائم ہوگئی کہ بندہ ہرلحہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا اللہ بندے کو دیکھ رہا ہے تو سمجھو کہ معصیت ختم ہوگئی۔یہی نماز سے مطلوب ہے۔کیونکہ نماز برائیوں سے بچاتی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کا غلبہ طاری نہ ہوا تو سمجھو کہ نماز ادا تو ہوگئی مگر قائم نہیں ہوئی۔یہ تو مختصر اً بحث تھی لفظ اقامت کی،اب ذرا لفظ دین کی طرف آیئے۔دین کا لفظ قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے۔جس کا مطلب علماء فقہا نے ضابطہ حیات بتایا ہے یعنی پیدائش سے لے کر مرنے تک نجی،اجتماعی،معاشرتی،معیشتی،قومی اور بین الاقوامی مسائل تک کے حل کے لئے دین ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔دین اسلام اپنے ماننے والے کی کسی ایسی زندگی کا قائل نہیں جس میں اس کا دخل نہ ہو،بیت الخلا میں آنے جانے سے لے کر وظیفہ زن وشو تک کے آداب سکھاتا ہے لہٰذا فرد ہو یا جماعت حاکم ہو یا رعایا،آجر ہو یا اجیر،امیر ہو یا فقیر کسی کو بھی دین اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اب جب کہ اقامت کا مفہوم کسی شے کو سیدھا کھڑا کرنا یا اس کا پورا پورا حق ادا کرنا ٹھہرا اور دین کا مطلب دنیا میں زندگی گزارنے کا وہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی شکل میں محمد ﷺ کے ذریعے بندوں کو دیا تو اقامت دین کا مفہوم لازماً یہی ہوا کہ اسے ماننے والے پہلے تو اس سے پوری طرح واقف ہوں،اس کے مبادیات کو جانتے ہوں،اس کے اوامر و نواہی کا علم رکھتے ہوں۔قرآن حکیم مسلم امہ کی غائت کیا مقرر کرتا ہے اور پھر اس غائت تک رسائی کا کونسا راستہ تجویز کرتا ہے یہ سب کچھ جاننے کے بعد اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالا جائے۔اس کی ہر ایک ہدایت پر عمل کیا جائے،معیشت و معاشرت،سیاست و عدالت،عبادت و ریاضت،صنعت و

حرفت، تجارت و زراعت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں دین ہی سے ہدایت حاصل کی جائے۔ دین اسلام اس قسم کے نعروں کی اجازت نہیں دیتا کہ اسلام ہمارا مذہب ہے سوشل ازم ہماری معیشت ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ لہذا جب تک دین اسلام ہی کو اوڑھنا بچھونا نہ بنایا جائے اس وقت تک اس کا حق ادا نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے قائم سمجھا جائے گا۔

اب اگر ظرف نگاہی سے دیکھا جائے تو عملاً ہم مسلمان پورے کے پورے اسلام میں داخل نہیں۔ ہمارا وہ طبقہ جسے ہم دیندار کہتے ہیں بلاشبہ اس کی شکل و شباہت مسلمانوں کی سی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا اہتمام بھی کرتا ہے، مسجد اور یتیم خانے میں چندہ بھی دیتا ہے، ذکر و فکر اور توحید و صداقت پر قائم رہنے کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ رزق حلال صدق معال میں بھی زور مارتا ہے، مقرب رب ذوالجلال کا بھی دعویٰ کرتا ہے، تبلیغ میں بھی کوشاں ہے۔ غرضیکہ تمام انفرادی اوصاف کا حامل ہے مگر دین کے اجتماعی احکام کا جب معاملہ آتا ہے تو اسے وہ دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتا کیونکہ اسے معاشرت مخلوط اور معیشت مبنی بر سود منظور، عدالتیں بدیسی اور نظام حکومت پردیسی قبول، معیشت و معاشرت اور عدالت و سیاست وغیرہ کیلئے دین میں کوئی ہدایت نہیں؟ ضرور ہے مگر شاید کہ ہم نے انہیں دنیاوی امور سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ دین اور دنیا کی ترکیب اور اصطلاح بھی خوب ہے پتہ نہیں کہاں سے در آئی، قرآن و حدیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں دنیا و آخرت کا تو ذکر ہے مگر دین و دنیا کا نہیں۔ غاصب طبقہ نے کمال مکر و فریب سے اسے عوام الناس میں رائج کر دیا اور ہماری سادہ لوح اسلام پسند تبلیغی اور روحانی مراقباتی جماعتیں، ایک غیر سیاسی، غیر جہادی، رسوماتی مذہب کا پرچار کرتی ہیں۔ صدیوں سے دینی مدارس میں درس نظامی پڑھایا جاتا ہے جس میں مروجہ سائنسی علوم نام کو نہیں، نہ ہی کوئی سیاسیات و اقتصادیات کے متعلق عجیب و غریب کہاوتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ ایک کا مقولہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں بہنیں ہیں۔ ایک آدمی کے نکاح میں دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ دوسرے گروہ کا مقولہ بلکہ نامعقولہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں سوکنیں ہیں ایک گھر میں اکٹھی نہیں رہ سکتیں ایک کو طلاق لازم ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اسلام میں دین دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے، دنیا و آخرت کا ذکر ضرور ہے دونوں میں بھلائی مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے چھوڑنے کو نہیں۔ اسی طرح ایک اور

عجیب بات کو رواج دیا گیا ہے وہ پہلے تو شائد عجیب نہ لگتی ہوگی اب ضرور عجیب لگے گی۔ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں دینیات یا اسلامیات بطور ایک مضمون کے پڑھائی جاتی ہے۔ جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح یا زیادہ سے زیادہ وراثت وغیرہ کے متعلق فقہی مسائل پڑھائے جاتے ہیں گو انکی اہمیت سے انکار نہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی دین ہے؟ معاشیات، اقتصادیات، سیاسیات، ارضیات، فلکیات، ادویات، حیاتیات، جمالیات، طبعیات، ریاضیات اور اسی قبیل کے دوسرے سائنسی مضامین گویا دین اسلام سے فارغ ہیں حالانکہ یہ سب دینی علوم ہیں۔ دین کا ان مضامین کے متعلق اپنا ایک نکتہ نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان اشیاء کو اپنی نشانیاں (آیات) بتایا ہے۔ ان کی تخلیق میں غور کر کے تسخیر کائنات کی دعوت دی ہے۔ ہمارے اسلاف نے ان سائنسی علوم میں خوب تحقیق کی اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو موجودہ دور کی سائنسی ترقی ہمارے ہی اسلاف کی مرہون منت ہے۔ یہ غلط قسم کی ترکیبیں یا اصطلاحات اتفاقاً نہیں رواج پا گئیں بلکہ یہ ایک گہری سازش ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مسلم اُمہ کی ساری زبوں حالی اس دین اور دنیا کے غلط بٹوارے ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر نیت اقامت دین یا غلبہ دین حق کی ہو تو مسلمان کا ہر کام اور ہر سانس دین ہے پھر تو دولت کے انبار لگانا بھی دین، بچوں کی پرورش بھی دین، ازدواجی زندگی میں منسلک ہونا بھی دین، ہر وہ کام جو دنیاوی سمجھا جاتا ہے سب دین ہے بشرطیکہ دین اسلام کو غالب کرنے کی نیت ہو اور ہر کام سنت رسول ﷺ کے مطابق کیا جائے۔ دوسری طرف اگر خالص عبادات کبر و غرور کا باعث بنیں اور آدمی اللہ سے غافل ہو جائے تو وہ عین دنیا ہے جیسا کہ عارف رومیؒ نے فرمایا

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ہم نے بڑے بھولپن یا پھر مکر سے دین اور دنیا کی تقسیم کو قبول کر لیا ہے اور دین کے آدھے سے بھی کم حصے کو ہی مکمل دین سمجھ کر اور اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو مقربان خدا میں شامل سمجھ لیا ہے حالانکہ رسمی عبادات و ذکر و اذکار گو بہت اہمیت کے حامل ہیں مگر مقصود بالذات نہیں حصول مقصد کا ذریعہ ہیں جس کا بیان آگے چل کر اپنے مقام پر آئے گا۔

اب یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس وقت دین اپنی مکمل شکل میں کسی بھی اسلامی ملک میں قائم نہیں ۔ بے حس ملی بے غیرتی ،عریانی و فحاشی کی فراوانی ،اقتدار کی بے لگامی ،مقتدر کی بدکلامی، حکومتی سطح پر بدعنوانی ،عدل و انصاف اور حسن اخلاق کی سوختہ سامانی کی ہر سو حکمرانی اس بات کا بین ثبوت ہے ۔ایسی ریاست جو اپنے تمام شہریوں کو احساس تحفظ نہیں دے سکتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں ۔

اُمت مسلمہ کی غائت

اب یہ دیکھنا ہے کہ امت مسلمہ کی کوئی خاص غرض و غائت ہے جس کیلئے اسے اٹھایا گیا ہے یا عام قوموں یا دوسری امتوں کی طرح معمول کے مطابق دنیا کے پلیٹ فارم پر آ گئی ہے ۔ایسا نہیں ہے یہ امت سب سے ممتاز امت ہے اور کسی خاص مقصد کیلئے بھیجی گئی ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **کنتم خیر امت اخرجت للناس** ''تم ایک بہترین امت ہو جو انسانوں کیلئے اٹھائی گئی ہو'' کیونکہ **تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون با اللہ** ''تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''تو خاص مقصد جس کے لئے خیر الامت کو پیدا کیا گیا وہ یہ ٹھہرا کہ پوری انسانیت کی رہنمائی کرے ہر قسم کی فکری نظری اور عملی غلط کاریوں سے روک کر صراط مستقیم پر چلائے ۔دوسرے لفظوں میں امت کی غائت اصلاح انسانیت ہے اور اصلاح انسانیت مضمر ہے اقامت دین میں، گویا اقامت دین امت مسلمہ کی اہم ذمہ داری ہے اور باقی ساری شرعی تکالیف اس مقصد کے حصول کیلئے ہیں ۔اسی حقیقت کو دوسرے لفظوں میں یوں واضح فرمایا ۔ **ھوالذی ارسل رسولہ باالھدا ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون** ''وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدائت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور بڑے مشرک برا مانیں'' ۔یہ آیۃ مبارکہ قرآن پاک میں تین جگہ آئی ہے جس میں نبی پاک ﷺ کا مقصد بعثت اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کسی دوسری جگہ کوئی دوسرا مقصد اس طرح بیان نہیں ہوا ۔آیت شریفہ کا اسلوب ظاہر کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا سب سے اہم مقصد دین حق کو باقی مروجہ باطل ادیان پر غالب کرنا ہے اور باقی جو فرائض منصبی یعنی قرآن پاک کی آیات

پڑھ کر سنانا، پیروؤں کا تزکیہ نفس کر کے اخلاق حمیدہ پیدا کرنا، نماز سکھانا، برائی سے روکنا اور نیکی کی تلقین کرنا ہیں وہ سب اس اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے فرض سے سرکارﷺ بطریق احسن عہدہ برا ہوئے اور اپنی حیات مبارکہ ہی میں دین حق کو قائم کر کے دکھا دیا۔ اب جب بھی دین مغلوب ہوگا یعنی قوم اسے اپنی زندگیوں سے الگ کر کے ذلیل ہو جائے گی تو بحیثیت نائب رسول اُمت کا یہ فرض ہے کہ اسے قرآن پاک اور اسوہ رسولﷺ کی روشنی میں غالب اور قائم کرے۔ اب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج ہر طرف باطل کی گرفت مضبوط ہے حق کی علمبردار یعنی مسلم اُمہ بری طرح ناکام اور مغلوب بلکہ ذلیل وخوار ہے۔ معیشت ہو کہ معاشرت، دفاع ہو کہ اپنی بقا کا مسئلہ ہو ہر جگہ ہر معاملے میں ہم باطل کے دست نگر ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ حق کے علمبردار مومنین کی جماعت کو اس مغلوبیت اور مقہوریت کی حالت میں ایک لمحہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ کتاب اللہ میں مومنوں سے جو طرز خطاب ہے یعنی "اے مومنوں ایک خدا کو پوجو اور سارے انسانوں کو راہ راست کی طرف بلاتے رہو۔ باطل کے علمبرداروں سے نبرد آزما ہو کر اللہ کی زمین کو فتنہ وفساد سے پاک کردو۔ کفر کا سر کچل دو" وقس علی ھذا۔ اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ اللہ کی نگاہ میں امت مسلمہ کی حیثیت ایک صاحب اقتدار جماعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مظلومی ومحکومی کی اتھاہ گہرائیوں میں نہیں بلکہ جہانبانی کے تخت پر دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ ایسے مطالبات محکوم ومغلوب ومجبور سے نہیں حاکم وغالب وجبار ہی سے کئے جاتے ہیں۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا "اللہ تعالیٰ ہر انسان پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ اٹھا سکتا ہے"۔ اس اسلوب خطاب میں مسلم ملی زندگی کا کتنا بلند تصور ہے مگر زمانہ ادبار میں غالب قومیں مغلوب قوموں کی سوچ ہی بدل ڈالتی ہیں۔ معاشی چکروں میں اس طرح الجھا دیتی ہے کہ محنت مشقت سے ایک پل فرصت نہیں ملتی کہ آخرت کی سعادت پر غور کیا جائے۔ آہستہ آہستہ ایسے امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے یہی کچھ مسلم امہ کے ساتھ ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس طرز خطاب کی حکمت کو سمجھ کر ہم کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنے میں جت جاتے مگر افسوس کہ ہم نے فرار کی راہ اختیار کر کے یہ ذمہ داری اوالامر پر ڈال دی۔ صوفیا نے صرف

روحانی ترقی کے لئے تزکیہ نفس پر زور دیا اور محض ذکر واذکار ہی میں نجات سمجھی۔آئین جہانبانی کو دنیاوی کام سمجھ کر اس سے اجتناب ہی میں عافیت جانی اور یہ کہہ کر بری الذمہ ہوگئے کہ کار جہانبانی خسرواں دانند وکلیم فقر بہ از کلیم سلطان اس طرح فقیروں نے فقیری کا راز آنکھوں سے اوجھل کر دیا حالانکہ فقیری اور امیری لازم وملزوم شے ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ جب تک امیری فقیروں کے ہاتھ رہی دنیا جنت نظیر رہی ،جب امیری سے فقیری الگ ہوگئی فقیروں نے خانقاہوں میں گوشہ نشینی ہی میں عافیت سمجھی تو اللہ کی زمین پر باطل کا قبضہ ہوگیا جو کہ فقیروں کی میراث تھی۔

آہ کہ کھو گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مال فقر سلطنت روم و شام

فقر مومن چیست ؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
وائے درویشے کہ ہوئے آفرید
باز لب بربست ودم درکشید
حکم حق را در جہاں جاری نہ کرد
نانے از جو خورد و کراری نہ کرد
خانقاہے جست و زخیر رمید
راہبی ورزید سلطانی ندید

اگر ایسا نہ ہوتا تو انبیاء کے بعد سب سے بہتر انسان فقیروں کے جد امجد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور پیغمبرانہ صفات کے حامل حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ امت کا امر (کام) باعث نزاع ہوگیا ہے کہیں غلط فیصلہ نہ ہوجائے تو محبوب ترین ہستی کے بچھڑ جانے کے جان گسل غم میں مبتلا ہونے کے باوجود سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے اور امت کے اس امر کو کہ دین کا محافظ ہے بکھرنے سے بچا لیا۔اگر چاہتے تو روضہ رسول اللہ ﷺ کے قریب کسی حجرہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہتے اور کوئی ان سے تعرض نہ کرتا۔کہا جاسکتا ہے کہ ایسی رہبانہ زندگی سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے تو نبی پاک ﷺ سے بلاواسطہ تربیت پانے والوں کو کب گوارہ تھا کہ رہبانہ زندگی بسر کرتے۔چلو مان لیا

یہ رہبانہ زندگی تھی تو آرام وسکون سے حضور نبی کریم ﷺ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوکر اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تجارت کا پیشہ اختیار کر لیتے اور ساتھ مذہبی رسومات بھی ادا کرتے رہتے رہبانی کے الزام سے بچ جاتے اور نبی پاک ﷺ کو بے گوروکفن چھوڑ کر جاہ طلبی (نعوذ باللّٰہ من ذالک) کے طعنے سے بھی بچ جاتے مگر کیا وجہ تھی کہ امت میں سب سے بہترین انسان اس سیاسی جھگڑے سے الگ نہ رہ سکے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ امر نا اہل ہاتھوں میں چلا جائے یا جانے کا خطرہ ہو تو اسے صحیح ہاتھوں میں منتقل کرنے کے لئے تن من دھن حتیٰ کہ عزت وآبرو کو بھی داؤ پر لگانا عین دینی فرض ہے بلکہ کام ہی یہ ہے باقی سب کام ہیچ (کار این است وغیر ایں ہیچ) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے اور اگر قائم ہو تو اسے قائم رکھنے کے لئے قوت نافذہ کا اختیار کے ہاتھ میں ہونا ناگزیر ہے وگرنہ حضرت امام حسینؓ کو کربلا کے ریگزاروں میں کنبہ شہید کروانے کی کیا ضرورت تھی۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقط خانقاہی اندوہ دلگیری
رشی کے فاقوں سے نہ ٹوٹا برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اب ظاہر ہے کہ اقتدار نا اہل سے چھین کر اہل ہاتھ میں دینے کے لئے تصادم ناگزیر ہے اور اس تصادم سے پہلوتہی کر کے صرف زبانی واعظ ونصیحت اور ذکر وفکر میں مشغولیت اور اس کی تلقین کو اچھی باتیں ہیں مگر فلسفہ گریز کے تحت رہبانیت ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔

ذکر وفکر کے ساتھ ساتھ شادی بیاہ ملازمت تجارت میں مشغول ہو کر رہبانیت کے طعنہ سے بچنے کی کوشش کرنا ایک فریب نفس ہے اور عذر بدتر از گناہ کے مترادف ہے اور ایسی رہبانیت مصروف رہبانیت سے بھی زیادہ بدتر ہے کیونکہ اس میں تو راہب اور جوگی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کم از کم مستفید ہوتے ہیں اور کام ودہن کی لذتوں سے مجتنب رہتے ہیں، یہاں تو یہ حال ہے کہ اللہ کی ساری نعمتوں کا استعمال بھی ہوتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کا جو اصل کام یعنی غلبہ دین حق ہے وہ بھی نہیں کرتے۔ یاد رہے کہ غلبہ دین حق تبھی قائم رہتا ہے جب اقتدار پر چنگیزیت

کاقبضہ ختم کر کے فاروقیت کے سپرد کردیا جائے لیکن اب اسے اقتدار کالالچ سمجھ کرنہیں بلکہ یہ کہہ کرراہ فرار حاصل کی جاتی ہے اور بڑے دھڑلے سے اعلان ہوتا ہے کہ ہماری جماعت سیاست سے پاک خالص روحانی اور دینی جماعت ہے سوچنے کی بات ہے کہ اگر اصلاح انسانیت کے لئے سیاسی اقتدار ناگزیر نہ ہوتا تو مذکورہ بالابزرگ ہستیاںؓ اپنے آپ کو اس میں کیوں الجھاتیں۔معلوم ہوا کہ انسانیت کی اصل خدمت یہی ہے یہ اگر ہو جائے تو پھر چھوٹی چھوٹی ضمنی خدمتوں کی ضرورت نہیں رہتی جو ہم کار خیر کے نام سے اللہ اور اس کی مخلوق پر احسان جتانے کے لئے کرتے رہتے ہیں کیونکہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔

اسی طرح طبقہ علماء نے اپنے آپ کو مسجدوں تک محدود کر دیا ہے یا زیادہ سے زیادہ میلاد کانفرنسوں اور سیرت کانفرسوں میں خطاب کے دوران متنازعہ مسائل بیان کر کے داد پاتے ہیں۔ بعد میں **وما علینا الا البلاغ** کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ یہی اختلافی مسائل کھول کر بیان کرنا ہی ہے اور بس۔رہے عوام الناس تو انہیں مذکورہ بالا دونوں طبقوں نے **وتعز من تشاء وتزل من تشاء** کی طبع زاد تاویلوں سے غاصب طبقہ کے خلاف کسی بھی اقدام کو مشیت ایزدی کے خلاف قرار دے کر سلانے کی کوشش کی ہے اور بہت بڑی تعداد کو اپنا ہم نوا بنالیا۔اگر کوئی فرد یا گروہ میدان سیاست کا گند صاف کر کے خلاف راشدہ کے طریق پر اسلام کے عدل اجتماعی کے نفاذ کیلئے کوشش کرنے کا دعویٰ لے کر آتا ہے تو بجائے اس کے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے،ان میں کوئی نظریاتی،اعتقادی،انتظامی کمزوریاں نظر آئیں تو ان کو ان کے ساتھ مل کر دور کیا جائے مذکورہ بالا سب طبقے لٹھ لے کر ان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ یہ اقتدار کے بھوکے ہیں اور طرح طرح کی الزام تراشیاں کر کے عوام کو بدظن کر دیا جاتا ہے،جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتخابات میں دینی جماعتوں کے خلاف سیکولر(لا دینی)جماعتیں کامیاب ہو جاتی ہیں بعض یہ فلسفہ بگھارتے ہیں کہ بھئی اگر خدمت خلق کرنے کا ہی شوق ہے تو اقتدار سے باہر آ کر بھی خدمت ہو سکتی ہے جس طرح ایدھی ٹرسٹ یا برنی ٹرسٹ والے کرتے ہیں۔ان سے کوئی پوچھے کہ اگر اسی طرح کی جزوی خدمت وہ بھی صرف دنیا کے حوالے سے جس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں(خادم کو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اجر عطا فرمائے گا۔

مگر جس کو ایک دن کی روٹی کھلا دی، کپڑا پہنا دیا بے گور و کفن لاش کی تجہیز و تکفین کر دی تو بھلا آخرت کے حوالے سے اس کی کیا خدمت ہوئی اصل خدمت تو یہ ہے جس سے دنیا جنت نظیر بن جائے۔اور آخرت سنور جائے۔یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک حق کے راستے کی تمام گروہی، طبقاتی، معاشی اور معاشرتی رکاوٹیں دور نہ کر دی جائیں۔صرف خدمت خلق مطلوب ہوتی تو گنگارام ٹرسٹ اور دیال سنگھ ٹرسٹ میں کیا کمی ہے۔صرف طعن تشنیع پر ہی اکتفا نہیں بعض بزعم خود دیندار ''اقامت دین'' کی داعی جماعت کو ''جھوٹے مدعی'' کہہ کر اس جماعت کے زوال کی دل سے تمنا کرتے ہیں تا کہ یہ اپنے موقف میں سچے ثابت ہوں۔بعض افراد ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو جان و مال قربان کرنے کیلئے تیار ہیں کوئی با اعتماد آدمی آگے آئے تو سہی۔ان سے کہیے کہ آپ ہی آدمی بن جائیے کس آدمی کا انتظار ہے۔امام مہدیؒ کے آنے کا تو کوئی وقت مقرر نہیں سینکڑوں سالوں سے یہ فریب خوردہ اُمت انکے انتظار میں ہے۔گویا امامؒ کی آمد تک مسلم اُمہ کی زبوں حالی کا جوں کا توں رہنا مشیت الٰہی ہے اس طرح اور بہت سے گریز، فرار اور رُخصت کے فلسفے بیان کئے جاتے ہیں ایک ایک کو قلم بند کیا جائے تو دفتر درکار ہے۔

اب نقل و عقل سے بات عیاں ہوگئی ہے کہ مسلم اُمہ کا مقصد حیات اقامت دین یا غلبہ دین حق ہے جو اپنی مکمل حالت میں بالفعل کہیں موجود نہیں۔باقی تمام مذہبی وظائف اس مقصد کو حاصل کرنے یعنی دین حق کی سرفرازی کیلئے زادِ راہ بلکہ زادِ راہ جمع کرنے کا ذریعہ ہیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

☆(محترمی محمد حسین صاحب کا مضمون ''تعمیر ملت اور اقامت دین'' قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام کی نشا ۃ ثانیہ کا مکمل فکری و عملی حل پیش کرتا ہے۔مضمون کی جامعیت اور افادیت اس بات کی متقاضی تھی کہ پورا مضمون اِسی مرتبہ شائع کیا جاتا مگر شمارہ کے صفحات اور دیگر مضامین کی ترتیب میں فرق آنے کے سبب اس مضمون کو دو حصوں میں شائع کیا جائے گا۔

لہٰذا اس مضمون سے صحیح معنوں میں استفادہ کی خاطر آپ دونوں حصوں کو ملا کر مطالعہ فرمائیں۔ شکریہ۔ (منجانب ادارہ)

عیدالفطر

(نئے عزم وشعور کے ساتھ زندگی کے آغاز کا دن)

(مولانا وحیدالدین خان)

عید کا دن روزوں کے مہینہ کے فوراً بعد آتا ہے۔ایک مہینہ کی روزہ دارانہ زندگی گزارنے کے بعد مسلمان آزادی کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔صدقہ وخیرات کے ذریعہ غریب لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں عید کی اسپرٹ کو بتاتی ہیں۔عید کی اسپرٹ اللہ کو یاد کرنا ہے۔اپنی خوشیوں کے ساتھ لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونا ہے۔اپنے مقصد کو حاصل کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق ادا کرنا ہیں۔اس بات کے لئے عمل کرنا ہے کہ خدا کی دنیا ساری انسانیت کے لئے خوشیوں کی دنیا بن جائے۔روزے کا مہینہ گویا تیاری اور احتساب کا مہینہ تھا اس کے بعد عید کا دن گویا نئے عزم اور نئے شعور کے ساتھ زندگی کے آغاز کا دن ہے۔عید کا دن دوبارہ نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف اپنا سفر شروع کرنے کا دن ہے۔روزہ اگر ٹھہراؤ تھا تو عید ٹھہراؤ کے بعد آگے کی طرف اقدام۔

روزہ ایک اعتبار سے سمٹنے کا لمحہ تھا اور عید از سر نو پھیلنے اور آگے بڑھنے کا لمحہ۔روزے میں آدمی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ایک محدود مدت کے لئے کٹ گیا تھا حتیٰ کہ اس نے اپنی فطری ضرورتوں تک پر پابندی لگا دی تھی۔یہ دراصل تیاری کا وقفہ تھا۔اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ باہر دیکھنے کی بجائے اپنے اندر کی طرف دھیان دے۔وہ اپنے آپ میں وہ ضروری اوصاف پیدا کرے جو زندگی کی جدوجہد کے دوران اس کے لئے ضروری ہیں اور جن کے بغیر وہ کاروبار حیات میں مفید طور پر اپنا حصہ ادا نہیں کرسکتا۔مثلاً صبر وبرداشت،اپنی واجبی حد کے اندر رہنا،منفی نفسیات سے اپنے آپ کو بچانا،اس قسم کا ایک پر مشقت تربیتی مہینہ گزار کر وہ دوبارہ زندگی کے میدان میں واپس آیا ہے اور عید کے تہوار کی صورت میں وہ اپنی زندگی کے نئے دور کا افتتاح کر رہا ہے اس طرح عید کا دن مسلمانوں کے لئے آغاز حیات کا دن ہے۔روزے نے آدمی کے اندر جو اعلیٰ صفات پیدا کی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب وہ سماج کا زیادہ بہتر ممبر بن جاتا ہے۔اب

وہ اپنے لئے بھی پہلے سے بہتر انسان ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی پہلے سے بہتر انسان۔

روزے میں آدمی نے بھوک پیاس برداشت کی تھی۔اب باہر آکر وہ لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی ناخوشگواریوں کو برداشت کرتا ہے۔روزے میں اس نے اپنی سونے اور جاگنے کے معاملات کو بدلا تھا۔اب وہ وسیع تر انسانی مفاد کے لئے اپنی خواہشوں کو قربان کرتا ہے۔روزے میں اس نے عام دنوں سے زیادہ خرچ کیا تھا۔اب باہر آکر اپنے حق سے زیادہ لوگوں کو دینے کی کوشش کرتا ہے۔روزے میں وہ بندوں سے کٹ کر خدا کی طرف متوجہ ہوا تھا اب باہر آکر سطحی چیزوں میں الجھنے کی بجائے بلند مقصد کے لئے متحرک ہوتا ہے۔روزے میں وہ اپنی خواہش کو روکنے پر راضی ہوا تھا۔اب باہر کی دنیا میں وہ یہ کرتا ہے کہ وہ اپنے حقوق سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں پر نظر رکھنے والا بن جاتا ہے۔روزے سال کے ایک مہینہ کا معاملہ تھا تو عید سال کے گیارہ مہینہ کی علامت ہے۔روزے میں صبر، عبادت، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے مشاغل تھے۔اب عید سے جدوجہد حیات کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔روزہ اگر انفرادی سطح پر زندگی کا تجربہ تھا تو عید اجتماعی سطح پر زندگی میں شریک ہوتا ہے۔روزہ اگر اپنے آپ کو خدا کے نور سے منور کرنے کا وقفہ تھا تو عید گویا ساری دنیا میں اس کی روشنی کو پھیلانے کا اقدام ہے۔روزہ اگر رات کی تنہائیوں کا عمل تھا تو عید دن کے ہنگاموں کی طرف صحت مند پیش قدمی ہے۔

روزہ جس طرح محض بھوک پیاس نہیں اسی طرح عید بھی کسی کھیل تماشے کا نام نہیں۔دونوں کے ظاہر کے پیچھے گہری معنویت چھپی ہوئی ہے۔روزہ وقتی طور پر عالم مادی سے کٹنا اور عید دوبارہ عالم مادی میں واپس آجانا ہے۔روزہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کی کوشش ہے اور عید اس سے زیادہ بہتر سال کا آغاز ہے جو روزے کے بعد روزہ داروں کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔

عید دراصل نئی زندگی شروع کرنے کا دن ہے۔عید کا پیغام ہے کہ مسلمان نئی ایمانی قوت اور نئے امکانات کی روشنی میں ازسرنو زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوں۔ان کا سینہ خدا کے نور سے روشن ہو۔ان کی مسجدیں خدا کے ذکر سے آباد ہوں۔ان کے گھر تواضع کے گھر بن جائیں سارے مسلمان متحد ہو کر وہ جدوجہد شروع کریں جس کے نتیجے میں انہیں دنیا میں خدا کی نصرت ملے اور آخرت میں خدا کی جنت۔

عید یا وعید

(مولانا یوسف اصلاحی)

رمضان المبارک کے شب و روز رخصت ہونے کے بعد عید کی صبح نمودار ہوتی ہے۔ مسلمان عید کی خوشیوں سے سرشار، عید کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ اظہار مسرت کا دن ہے۔ ایک دوسرے سے ملنے، مبارکباد لینے کا دن ہے۔ خدا کی حمد وثنا اور تکبیر و تحلیل کا دن ہے۔ خدا کے حضور سجدہ شکر بجالانے کا دن ہے۔ عید خدا کا مقرر کیا ہوا تہوار ہے۔ آج کے دن نہانا دھونا صاف ستھرے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، تکبیر وتہلیل کہتے ہوئے عید گاہ جانا، عید گاہ جانے سے پہلے کچھ میٹھا کھانا، ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے آنا سب کے ساتھ مل کر شوکت اسلام کا مظاہرہ کرنا، خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب اعمال ہیں۔

عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ یکم شوال کو عید الفطر منانے کا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ رمضان کے شب و روز کی عبادتوں سے فارغ ہوتے ہی خوشی منانا اور دوگانہ شکر ادا کرنا دراصل اس حقیقت کا اظہار ہے کہ خدا ہی کے فضل و کرم سے ہمیں رمضان کی یہ مبارک ساعتیں حاصل ہوئیں اور اسی کی توفیق سے ہم قیام وصیام، تلاوت وتسبیح، صدقہ وخیرات اور دوسری عبادتیں بجالاسکے۔ اگر خدا کی توفیق اور اطاعت نہ ہوتی تو ہم کچھ بھی نہ کر سکتے۔

عید منانے کی اس حقیقت کو سامنے رکھئے تو اس بات کو دہرانے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی کہ عید کی خوشی میں اس بدنصیب کا کوئی حصہ نہیں ہے جو رمضان کی برکتوں سے محروم رہا اور رمضان کے بابرکت شب و روز پانے کے باوجود اس نے اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا۔ لیل و نہار کی گردش جب تک باقی ہے یکم شوال کی تاریخ آتی رہے گی، مگر محض اس صبح کا طلوع ہونا ہی پیغام مسرت نہیں ہے۔ یہ صبح تو ہر اک پر طلوع ہوتی ہے لیکن اس جشن میں حقیقی مسرت صرف اس کا حصہ ہے جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر یہ کہہ سکے کہ پروردگار! تو نے جو مبارک مہینہ مجھے عطا فرمایا تھا میں نے اسے ضائع نہیں کیا۔ میں دن میں بھی تیری خوشی کے کام کرتا رہا اور شب میں

بھی تیری عبادت میں لگا رہا۔

عید کا دن عید بھی ہے اور وعید بھی ۔یہ مبارکباد کا دن بھی ہے اور تعزیت کا دن بھی ۔مبارکباد کا دن ان خوش نصیبوں کیلئے ہے،جن کا رمضان شکر گزاری کی حالت میں گزرا،اور تعزیت کا دن ان کم نصیبوں کیلئے جن کا رمضان اس طرح گزرا کہ وہ اس ماہ کی برکتوں سے محروم ہی رہے۔بے شک ایسے لوگوں کیلئے عید،وعید کا دن ہے۔یہ مبارکباد کے نہیں تعزیت کے مستحق ہیں۔

یوم التھینۃ و یوم التعزیۃ لمن مضی عنہ رمضان مشکورا تعزیۃ لمن قضی عنہ رمضان مھجورا

(یہ مبارکباد کا دن بھی ہے اور تعزیت کا دن بھی۔مبارکباد کا دن اس کیلئے جس سے رمضان خوش خوش رُخصت ہوا،اور تعزیت کا دن اس کیلئے جس سے رمضان رُخصت ہوگیا اور وہ اس سے محروم ہی رہا)

عیدالفطر یقیناً مسلمانوں کیلئے اظہار مسرت کا دن ہے۔یہ خدا کا دیا ہوا تہوار ہے مگر یہ ضرور سوچنے کی بات ہے کہ خوشی کس بات کی؟ رمضان اپنی تمام برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ آپ پر سایہ فگن ہوا۔آپ نے اس کو خدا کا انعام سمجھ کر اپنی عاقبت بنانے اور مغفرت ونجات کا سامان کرنے کی فکر کی ہے تو بے شک یہ خوشی کی بات ہے اور آپ عیدالفطر کا تہوار منانے کے مستحق ہیں۔مگر جس کم نصیب نے رمضان کی مبارک ساعتوں میں ذرا بھی اپنی مغفرت ونجات کی فکر نہیں کی، رمضان کا سارا مہینہ اس نے یوں ہی غفلت اور محرومی میں گزار دیا،خدا کو خوش کرنیکی بجائے اس نے خدا کا غضب اور بھڑکایا،اس کو بھلا کیا حق ہے کہ وہ عید کا تہوار منائے اور خوشی کا اظہار کرے۔وہ آخر کس بات کی خوشی منائے اور کس منہ سے خدا کی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے تکبیر کہے۔

ایک دن نبی ﷺ خطبہ دینے کیلئے منبر پر چڑھنے لگے۔پہلے زینے پر جب آپؐ نے قدم رکھا،تو فرمایا آمین،دوسرے زینے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین،تیسرے زینے پر قدم رکھا تو پھر

فرمایا آمین۔ خطبہ دے کر جب آپؐ فارغ ہوئے تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا، حضورﷺ! آج ہم نے یہ ایسی بات دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ فرمایا، جب میں خطبہ دینے کیلئے منبر پر چڑھنے لگا اور منبر کے پہلے زینے پر قدم رکھا تو جبریل امینؑ نمودار ہوئے اور انہوں نے کہا "خدا اس شخص کو ہلاک کر دے جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور پھر بھی اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا"۔ اس پر میں نے کہا امین۔

بھلا اس شخص کی ہلاکت اور محرومی میں کس کو شک ہو سکتا ہے جس کی ہلاکت اور تباہی کیلئے جبریل امینؑ بد دعا کریں اور اس بد دعا پر رسول مقبولﷺ آمین کہیں۔ جن کم نصیبوں کو خدا کے رسولﷺ محروم اور تباہ حال کہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ ان کو بھی عید کی خوشی منانے اور مبارکباد لینے کا حق ہے۔

جو خوش نصیب عید کی مبارکباد اور خوشی کے واقعی حقدار ہیں، ان کا ایمان افروز حال خود نبی کی زبان سے سنیے اور اس آرزو کو پورا کرنے میں لگ جایئے تا کہ آپ کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہو۔ نبیﷺ نے فرمایا۔

"جب عید کی صبح نمودار ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو ہر شہر اور بستی کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ فرشتے زمین میں اُتر کر ہر گلی اور ہر راستے کے موڑ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں۔ اس کی پکار ساری مخلوق سنتی ہے مگر انسان اور جن نہیں سن پاتے۔ وہ پکارتے ہیں:۔

"اے محمدﷺ کی اُمت کے لوگو! نکلو اپنے گھروں سے اور چلو اپنے پروردگار کی طرف۔ تمہارا پروردگار بہت ہی زیادہ دینے والا اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے"۔

اور جب مسلمان عید گاہ کی طرف جانے لگتے ہیں تو خدائے عزوجل اپنے فرشتوں سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے:۔

"میرے فرشتو! اس مزدور کا صلہ کیا ہے جس نے اپنے رب کا کام پورا کیا؟" فرشتے کہتے ہیں "اے ہمارے معبود، اے ہمارے آقا! اس مزدور کا صلہ یہ ہے کہ اسے بھرپور مزدوری دی

جائے''۔اس پر خدا کا ارشاد ہوتا ہے''فرشتو! تم سب گواہ ہوجاؤ کہ میں نے اپنے ان بندوں کو جو رمضان بھر روزے رکھتے رہے اور تراویح پڑھتے رہے، اس کے صلے میں اپنی خوشنودی سے نواز دیا اور ان کی مغفرت فرمادی''۔

پھر خدا اپنے بندوں سے کہتا ہے''میرے پیارے بندو! مانگو مجھ سے جو کچھ مانگتے ہو۔ مجھے اپنی عزت کی قسم، مجھے میرے جلال کی قسم، آج عید کے دن اس اجتماع میں تم اپنی آخرت بنانے کیلئے مجھ سے جو مانگو گے عطا کروں گا، اور اپنی دنیا بنانے کیلئے جو چاہو گے اس میں بھی تمہاری بھلائی کو مدنظر رکھوں گا۔ جب تک تم میرا دھیان رکھو گے، میں تمہارے قصوروں پر پردہ ڈالتا رہوں گا۔ مجھے میری عزت کی قسم، مجھے میرے جلال کی قسم، میں تمہیں مجرموں کے سامنے ہرگز ذلیل و رسوا نہ کروں گا۔ جاؤ تم اپنے گھروں کو بخشے بخشائے لوٹ جاؤ۔ تم مجھے راضی کرنے میں لگے رہے ہو، میں تم سے راضی ہوگیا''۔ فرشتے اس بشارت پر خوشی سے جھوم اُٹھتے ہیں اور خدا کی اس بخشش اور نوازش پر خوشیاں مناتے ہیں جو وہ اپنے بندوں پر فرماتا ہے جو رمضان بھر کے روزے رکھ کر آج اپنا روزہ کھولتے ہیں۔ (''شعورِ حیات'' سے اقتباس)

اسلام کا اخلاقی نظام

﴿تحریر! سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ﴾

انسان کے اندر اخلاقی حس ایک فطری حس ہے جو بعض صفات کو پسند اور بعض دوسری صفات کو ناپسند کرتی ہے۔یہ حس انفرادی طور پر اشخاص میں چاہے کم وبیش ہو مگر مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا اور اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے، سچائی،انصاف،پاس عہد اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے اور کبھی کوئی ایسا دور نہیں گزرا جب جھوٹ،ظلم،بدعہدی اور خیانت کو پسند کیا گیا ہو۔ہمدردی،رحم، فیاضی اور فراخ دلی کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے،اور خودغرضی،سنگ دلی،بخل اور تنگ نظری کو کبھی عزت کا مقام حاصل نہیں ہوا۔صبر وتحمل،اخلاق وبردباری،اُولوالعزمی وشجاعت ہمیشہ سے وہ اوصاف رہے ہیں جو داد کے مستحق سمجھے گئے اور بے صبری،چھچھوراپن،تلون مزاجی،پست حوصلگی اور بزدلی پر کبھی تحسین وآفرین کے پھول نہیں برسائے گئے۔ضبط نفس،خودداری،شائستگی اور ملنساری کا شمار ہمیشہ سے خوبیوں ہی میں ہوتا رہا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بندگی نفس،کم ظرفی،بدتمیزی،اور کج خلقی نے اخلاقی محاسن کی فہرست میں جگہ پائی ہو۔فرض شناسی،وفاشعاری،مستعدی اور احساس ذمہ داری کی ہمیشہ عزت کی گئی ہے اور فرض ناشناس،بے وفا،کام چور اور غیر ذمہ دار لوگوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔اسی طرح اجتماعی زندگی کے اچھے اور برے اوصاف کے معاملہ میں بھی انسانیت کا معاملہ تقریباً متفق علیہ ہی رہا ہے۔قدر کی مستحق ہمیشہ وہی سوسائٹی رہی ہے جس میں نظم وانضباط ہو،تعاون اور امداد باہمی ہو،آپس کی محبت اور خیرخواہی ہو۔اجتماعی انصاف اور معاشرتی مساوات ہو۔تفرقہ،انتشار،بدنظمی بے ضابطگی،نااتفاقی،آپس کی بدخواہی،ظلم اور ناہمواری کو اجتماعی زندگی کے محاسن میں کبھی شمار نہیں کیا گیا۔ایسا ہی معاملہ کردار کی نیکی وبدی کا بھی ہے۔چوری،زنا،قتل،ڈاکہ،جعل سازی اور رشوت خوری کبھی اچھے افعال نہیں سمجھے گئے۔بدزبانی مردم آزاری،غیبت،چغل خوری،حسد،بہتان تراشی،اور فساد انگیزی کو کبھی نیکی نہیں سمجھا گیا۔

مکار، متکبر، ریا کار، منافق، ہٹ دھرم اور حریص لوگ کبھی بھلے آدمیوں میں شمار نہیں کیے گئے۔اس کے برعکس والدین کی خدمت، رشتہ داروں کی مدد، ہمسایوں سے حسن سلوک، دوستوں سے رفاقت، یتیموں اور بے کسوں کی خبر گیری، مریضوں کی تیمارداری اور مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت ہمیشہ نیکی سمجھی گئی ہے۔پاک دامن، خوش گفتار، نرم مزاج اور خیراندیش لوگ ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔انسانیت اپنا اچھا عنصر انہی لوگوں کو سمجھتی رہی ہے جو راست باز اور کھرے ہوں۔جن پر ہر معاملہ میں اعتبار کیا جاسکے۔جن کا ظاہر و باطن یکساں اور قول و فعل ایک ہو۔جو اپنے حق پر قانع اور دوسرں کے حقوق ادا کرنے میں فراخ دل ہوں، جو امن سے رہیں اور دوسروں کو امن دیں، جن کی ذات سے ہر ایک کو خیر کی امید ہو اور کسی کو برائی کا اندیشہ نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں، جن کو سب انسان جانتے چلے آرہے ہیں۔نیکی اور بدی کوئی چھپی ہوئی چیزیں نہیں ہیں کہ انہیں کہیں سے ڈھونڈھ کر نکالنے کی ضرورت ہو۔وہ تو انسان کی جانی پہچانی چیزیں ہیں، جن کا شعور آدمی کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اپنی زبان میں نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہتا ہے۔ یعنی نیکی وہ چیز ہے جسے سب انسان بھلا جانتے ہیں۔اور منکر وہ ہے جسے کوئی خوبی اور بھلائی کی حیثیت سے نہیں جانتا۔اسی حقیقت کو قرآن مجید دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:۔ **فالھمھا فجورھا وتقولھا**۔یعنی نفس انسان کو خدا نے برائی اور بھلائی کی واقفیت الہامی طور پر عطا کر رکھی ہے۔

اخلاقی نظاموں میں اختلاف کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر اخلاق کی برائی اور بھلائی جانی اور پہچانی چیزیں ہیں اور دنیا ہمیشہ سے بعض صفات کے نیک اور بعض کے بد ہونے پر متفق رہی ہے، تو پھر دنیا میں یہ مختلف اخلاقی نظام کیسے ہیں؟ان کے درمیان فرق کس بنا پر ہے؟ کیا چیز ہے جس کے باعث ہم کہتے ہیں کہ اسلام اپنا ایک مستقل اخلاقی نظام رکھتا ہے؟اور اخلاق کے معاملہ میں آخر اسلام کا وہ خاص عطیہ

(Contribution) کیا ہے جسے اس کی امتیازی خصوصیت کہا جا سکے۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے جب ہم دنیا کے مختلف اخلاقی نظاموں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پہلی نظر میں جو فرق ہمارے سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ مختلف اخلاقی صفات کو زندگی کے مجموعی نظام میں سمونے اور ان کی حد، ان کا مقام اور ان کا مصرف تجویز کرنے اور ان کے درمیان تناسب قائم کرنے میں یہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پھر زیادہ گہری نگاہ سے دیکھنے پر اس فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دراصل وہ اخلاقی حسن و قبح کا معیار تجویز کرنے اور خیر و شر کے علم کا ذریعہ متعین کرنے میں مختلف ہیں۔ اور ان کے درمیان اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ قانون کے پیچھے قوتِ نافذ (Sanction) کون سی ہے، جس کے زور سے وہ جاری ہو اور وہ کیا محرکات ہیں، جو انسان کو اس قانون کی پابندی پر آمادہ کریں۔ لیکن جب ہم اس اختلاف کی کھوج لگاتے ہیں تو آخر کار یہ حقیقت ہم پر کھلتی ہے کہ وہ اصلی چیز جس نے ان سب اخلاقی نظاموں کے راستے الگ کر دیئے ہیں، یہ ہے کہ ان کے درمیان کائنات کے تصور، کائنات کے اندر انسان کی حیثیت، اور انسانی زندگی کے مقصد میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف نے جڑ سے لے کر شاخوں تک ان کی روح، ان کے مزاج اور ان کی شکل کو ایک دوسرے سے مختلف کر دیا ہے۔ انسان کی زندگی میں اصل فیصلہ کن سوالات یہ ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہے یا نہیں؟ ہے تو وہ ایک ہے یا بہت سے ہیں؟ جس کی خدائی مانی جائے اس کی صفات کیا ہیں؟ ہمارے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ اس نے ہماری رہنمائی کا کوئی انتظام کیا ہے یا نہیں؟ ہم اس کے سامنے جواب دہ ہیں یا نہیں؟ جواب دہ ہیں تو کس چیز کی جواب دہی ہمیں کرنی ہے؟ اور ہماری زندگی کا مقصد اور انجام کیا ہے جسے پیش نظر رکھ کر ہم کام کریں؟ ان سوالات کا جواب جس نوعیت کا ہو گا۔ اسی کے مطابق نظام زندگی بنے گا اور اسی کے مناسب حال نظام اخلاق ہو گا۔

اس مختصر گفتگو میں میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں دنیا کے نظام ہائے حیات کا جائزہ لے کر یہ بتاسکوں کہ ان میں کس کس نے ان سوالات کا کیا کیا جواب اختیار کیا ہے اور اس جواب

نے اس کی شکل اور راستے کے تعین پر کیا اثر ڈالا ہے۔ میں صرف اسلام کے متعلق عرض کروں گا کہ وہ ان سوالات کا کیا جواب اختیار کرتا ہے اور اس کی بنا پر کس مخصوص قسم کا نظام اخلاق وجود میں آیا ہے۔

اسلام کا نظریہ زندگی واخلاق

اسلام کا جواب یہ ہے کہ اس کائنات کا خدا ہے اور وہ ایک ہی خدا ہے۔ اسی نے اسے پیدا کیا ہے، وہی اس کا لاشریک مالک، حاکم اور پروردگار ہے۔ اور اسی کی اطاعت پر یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ وہ حکیم ہے، قادر مطلق ہے، کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے، سبوح وقدوس ہے (یعنی عیب، خطا، کمزوری اور نقص سے پاک ہے) اور اس کی خدائی ایسے طریقے پر قائم ہے۔ جس میں لاگ لپیٹ اور ٹیڑھ نہیں ہے۔ انسان اس کا پیدائشی بندہ ہے اس کا کام یہی ہے کہ اپنے خالق کی بندگی واطاعت کرے۔ اس کی زندگی کے لیے کوئی صورت بجز اس کے صحیح نہیں ہے کہ وہ سراسر خدا کی بندگی ہو۔ اس کی بندگی کا طریقہ تجویز کرنا انسان کا اپنا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس خدا کا کام ہے جس کا وہ بندہ ہے۔ خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں۔ اور کتابیں نازل کی ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ اپنی زندگی کا نظام اسی سرچشمہ ہدایت سے اخذ کرے۔ انسان اپنی زندگی کے پورے کارنامے کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اور یہ جوابدہی اسے اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کرنی ہے۔ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل امتحان کی مہلت ہے۔ اور یہاں انسان کی تمام سعی وکوشش اس مقصد پر مرکوز ہونی چاہیے کہ وہ آخرت کی جوابدہی میں اپنے خدا کے حضور کامیاب ہو۔ اس امتحان میں انسان کے اپنے پورے وجود کے ساتھ شریک ہو۔ اس کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کا امتحان ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کا امتحان ہے، پوری کائنات میں جس جس چیز سے جیسا کچھ بھی اس کو سابقہ پیش آتا ہے اس کی بے لاگ جانچ ہونی ہے کہ انسان نے اس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور یہ جانچ وہ ہستی کرنے والی ہے جس نے زمین کے ذروں پر، ہوا پر اور پانی پر، کائناتی لہروں پر اور خود انسان کے اپنے دل ودماغ اور دست وپا پر اس کی حرکات وسکنات

ہی کا نہیں، اس کے خیالات اور ارادوں تک کا ٹھیک ٹھیک ریکارڈ رکھا ہے۔

اخلاقی جدوجہد کا مقصود

یہ ہے وہ جواب جو اسلام نے زندگی کے بنیادی سوالات کا دیا ہے۔ یہ تصور انسان کی اصلی اور انتہائی بھلائی کو متعین کر دیتا ہے۔ جس کو پہنچنا انسانی سعی و عمل کا مقصود ہونا چاہیے۔ اور وہ ہے خدا کی رضا۔ یہی وہ معیار ہے، جس پر اسلام کے اخلاقی نظام میں کسی طرزِ عمل کو پرکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ خیر ہے یا شر۔ اس کے تعین سے اخلاق کو وہ محور مل جاتا ہے، جس کے گرد پوری اخلاقی زندگی گھومتی ہے۔ اور اس کی حالت بے لنگر کے جہاز کی سی نہیں رہتی کہ ہوا کے جھونکے اور موجوں کے تھپیڑے اسے ہر طرف دوڑاتے پھریں۔ یہ تعین ایک مرکزی مقصد سامنے رکھ دیتا ہے، جس کے لحاظ سے زندگی میں تمام اخلاقی صفات کی مناسب حدیں، مناسب جگہیں اور مناسب عملی صورتیں مقرر ہو جاتی ہیں اور ہمیں وہ مستقل اخلاقی قدریں ہاتھ لگ جاتی ہیں جو تمام بدلتے ہوئے حالات میں اپنی جگہ ثابت و قائم رہ سکیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے مقصود قرار پا جانے سے اخلاق کو ایک بلند ترین غایت مل جاتی ہے، جس کی بدولت اخلاقی ارتقاء کے امکانات لامتناہی ہو سکتے ہیں اور کسی مرحلہ پر بھی اغراض پرستیوں کی آلائش اس کو ملوث نہیں کر سکتیں۔

معیار دینے کے ساتھ اسلام اپنے اسی تصور کائنات و انسان سے ہم کو اخلاقی حسن و قبح کے علم کا ایک مستقل ذریعہ بھی دیتا ہے۔ اس نے ہمارے علم اخلاق کو محض عقل یا خواہشات یا تجربے یا علوم انسانی پر منحصر نہیں کر دیا۔ کہ ہمیشہ ان کے بدلتے ہوئے فیصلوں سے ہمارے اخلاقی احکام بھی بدلتے رہیں اور انہیں کوئی پائیداری نصیب ہی نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ ہمیں ایک متعین ماخذ دیتا ہے یعنی خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت، جس سے ہم کو ہر حال اور ہر زمانے میں اخلاقی ہدایات ملتی ہیں۔ اور یہ ہدایات ایسی ہیں کہ خانگی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لے کر بین الاقوامی سیاست کے بڑے بڑے مسائل تک زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبے میں وہ

ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ ان کے اندر معاملاتِ زندگی پر اخلاق کے اصولوں کا وہ وسیع ترین انطباق (Widest Application) پایا جاتا ہے جو کسی مرحلہ پر کسی دوسرے ذریعہ علم کی احتیاج ہمیں محسوس نہیں ہونے دیتا۔

اخلاق کی پشت پر قوتِ نافذہ

پھر اسلام کے اسی تصور کائنات و انسان میں وہ قوتِ نافذہ بھی موجود ہے جس کا قانونِ اخلاق کی پشت پر ہونا ضروری ہے اور وہ ہے خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا اندیشہ اور ابدی مستقبل کی خرابی کا خطرہ۔ اگر چہ اسلام ایک ایسی طاقتور رائے عام بھی تیار کرنا چاہتا ہے۔ جو اجتماعی زندگی میں اشخاص اور گروہوں کو اصولِ اخلاق کی پابندی پر مجبور کرنے والی ہو۔ اور ایک ایسا سیاسی نظام بھی بنانا چاہتا ہے جس کا اقتدار قانون کو بزور نافذ کرے لیکن اس کا اصل اعتماد اس خارجی دباؤ پر نہیں ہے بلکہ اس اندرونی دباؤ پر ہے جو خدا اور آخرت کے عقیدے میں مضمر ہے۔ اخلاقی احکام دینے سے پہلے اسلام آدمی کے دل میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ تیرا معاملہ دراصل اس خدا کے ساتھ ہے جو ہر وقت ہر جگہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ تو دنیا بھر سے چھپ سکتا ہے مگر اس سے نہیں چھپ سکتا۔ دنیا بھر کو دھوکا دے سکتا ہے مگر اسے نہیں دے سکتا۔ دنیا بھر سے بھاگ سکتا ہے۔ مگر اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ دنیا محض تیرے ظاہر کو دیکھتی ہے۔ مگر وہ تیری نیتوں اور ارادوں تک کو دیکھ لیتا ہے۔ دنیا کی تھوڑی سے زندگی میں تو چاہے جو کچھ کرے، بہر حال ایک دن تجھے مرنا ہے اور اس عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں وکالت، رشوت، سفارش، جھوٹی شہادت، دھوکا اور فریب کچھ نہ چل سکے گا، اور تیرے مستقبل کا بے لاگ فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ عقیدہ بٹھا کر اسلام گویا ہر آدمی کے دل میں پولیس کی ایک چوکی بٹھا دیتا ہے جو اندر سے اس کو حکم کی تعمیل پر مجبور کرتی ہے، خواہ باہر ان احکام کی پابندی کرانے والی کوئی پولیس، عدالت اور جیل موجود ہو یا نہ ہو۔ اسلام کے قانونِ اخلاق کی پشت پر اصل زور یہی ہے جو اسے نافذ کراتا ہے۔ رائے عام اور حکومت کی طاقت اس کی تائید میں موجود ہو تو نور علیٰ نور، ورنہ تنہا یہی ایمان مسلمان افراد اور

مسلمان قوم کو سیدھا چلا سکتا ہے، بشرطیکہ واقعی ایمان دلوں میں جاگزیں ہو۔

اسلام کا یہ تصور کائنات وانسان و محرکات بھی فراہم کرتا ہے جو انسان کو قانونِ اخلاق کے مطابق عمل کرنے کیلئے اُبھارتے ہیں۔انسان کا اس بات پر راضی ہو جانا کہ وہ خدا کو اپنا خدا مانے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا طریقہ بنائے اور اس کی رضا کو اپنا مقصد زندگی ٹھہرائے، یہ اس بات کیلئے کافی محرک ہے کہ جو شخص احکام الٰہی کی اطاعت کرے گا اس کیلئے ابدی زندگی میں ایک شاندار مستقبل یقینی ہے۔خواہ دنیا کی اس عارضی زندگی میں اسے کتنی ہی مشکلات، نقصانات اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑے اور اس کے برعکس جو یہاں سے خدا کی نافرمانیاں کرتا ہوا جائے گا اسے ابدی سزا بھگتنی پڑے گی، چاہے دنیا کی چند روزہ زندگی میں وہ کیسے ہی مزے لوٹ لے۔یہ امید اور یہ خوف اگر کسی کے دل میں جاگزیں ہو تو اس کے دل میں اتنی زبردست قوتِ محرکہ موجود ہے کہ وہ ایسے مواقع پر بھی اسے نیکی پر اُبھار سکتی ہے۔جہاں نیکی کا نتیجہ دنیا میں سخت تکلیف دہ نکلتا نظر آتا ہو اور وہ ان مواقع پر بھی بدی سے دور رکھ سکتی ہے جہاں بدی نہایت پرلطف اور نفع بخش ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اپنا تصور کائنات، اپنا معیارِ خیر و شر، اپنا ماخذ علم اخلاق، اپنی قوت نافذہ اور اپنی قوت محرکہ الگ رکھتا ہے اور انہی چیزوں کے ذریعہ سے معروف اخلاقیات کے مواد کو اپنی قدروں کے مطابق ترتیب دے کر زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کرتا ہے۔اِسی بناء پر یہ کہنا صحیح ہے کہ اسلام اپنا ایک مکمل بالذات اخلاقی نظام رکھتا ہے۔

اس نظام کی امتیازی خصوصیات یوں تو بہت سی ہیں۔مگر ان میں تین سب سے نمایاں ہیں جنہیں اس کا خاص عطیہ کہا جا سکتا ہے۔

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر اخلاق کیلئے ایک ایسا بلند معیار فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے اخلاقی ارتقاء کے امکانات کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ایک ماخذ علم مقرر کر کے اخلاق کو وہ پائیداری اور استقلال بخشتا ہے جس میں ترقی کی گنجائش تو ہے مگر تلون اور نیرنگی کی

گنجائش نہیں ہے۔خوفِ خدا کے ذریعہ سے اخلاق کو وہ قوتِ نافذہ دیتا ہے جو خارجی دباؤ کے بغیر انسان کے اندر خود بخود قانونِ اخلاق پر عمل کرنے کی رغبت اور آمادگی پیدا کرتی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ خواہ مخواہ کی اُپج سے کام لے کر کچھ نرالے اخلاقیات نہیں پیش کرتا اور نہ انسان کی معروف اخلاقیات میں سے بعض کو گھٹانے اور بعض کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔وہ انہی اخلاقیات کو لیتا ہے جو معروف ہیں اور ان میں سے چند کو نہیں بلکہ سب کو لیتا ہے۔ پھر زندگی میں پورے توازن اور تناسب کے ساتھ ایک ایک کا محل، مقام اور مصرف تجویز کرتا ہے اور ان کے انطباق کو اتنی وسعت دیتا ہے کہ انفرادی کردار، خانگی معاشرت، شہری زندگی، ملکی سیاست، معاشی کاروبار، بازار، مدرسہ، عدالت پولیس لائن، چھاؤنی، میدان جنگ، صلح کانفرنس، غرض زندگی کا کوئی پہلو اور شعبہ ایسا نہیں رہ جاتا جو اخلاق کے ہمہ گیر اثر سے بچ جائے ہر جگہ، ہر شعبہ زندگی میں وہ اخلاق کو حکمران بناتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ معاملاتِ زندگی کی باگیں خواہشات، اغراض اور مصلحتوں کے بجائے اخلاق کے ہاتھوں میں ہوں۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانیت سے ایک ایسے نظامِ زندگی کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے جو معروف پر قائم اور منکر سے پاک ہو۔اس کی دعوت یہ ہے کہ جن بھلائیوں کو انسانیت کے ضمیر نے ہمیشہ بھلا جانا ہے، آؤ انہیں قائم کریں اور پروان چڑھائیں اور جن برائیوں کو انسانیت ہمیشہ سے برا سمجھتی چلی آئی ہے آؤ انہیں دبائیں اور مٹائیں۔اس دعوت پر جنہوں نے لبیک کہا انہی کو جمع کر کے اس نے ایک اُمت بنائی جس کا نام ''مسلم'' تھا۔اور ان کو ایک اُمت بنانے سے اس کی واحد غرض یہی تھی کہ وہ معروف کو جاری و قائم کرنے اور منکر دبانے اور مٹانے کیلئے منظم سعی کرے۔اب اگر اسی امت کے ہاتھوں معروف دبے اور منکر قائم ہونے لگے تو یہ ماتم کی جگہ ہے، خود اسی اُمت کے لئے بھی اور دنیا کیلئے بھی۔

تحریک آزادی نسواں پراقبالؒ کی تشویش

﴿تحریر! ڈاکٹر عبدالغنی فاروق﴾

حکیم الامت علامہ اقبال اردو اور فارسی کے بے مثال شاعر اور تاریخ اسلام کے ذہین ترین فلسفی ہی نہ تھے بلکہ علمی و ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اپنا کوئی ثانی نہ رکھتے تھے۔انہوں نے جرمنی اور انگلینڈ کی بہترین یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہاں تین سال مقیم رہ کر یورپ اور یورپین تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔وہ ایم اے فلسفہ تھے، پی ایچ ڈی تھے، بارایٹ لا تھے۔وہ انگریزی، عربی، فارسی پر ہی استادانہ مہارت نہ رکھتے تھے بلکہ جرمن اور سنسکرت بھی جانتے تھے۔اسلامیات، سیاسیات، اقتصادیات، تاریخ اور سائنسی علوم کے حوالے سے بھی ان کا مطالعہ خاصا وسیع تھا۔اس طرح عالمی سطح پر شاعری کی تاریخ میں اقبال ایک بے مثل و یگانا کردار کے حامل تھے۔۔۔۔۔اور روح پرور حقیقت یہ ہے کہ ان غیر معمولی صلاحیتوں کے باوجود مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے اسلام پر محکم ایمان و یقین رکھتے تھے اور قرآن اور نبی اکرم ﷺ کے فرامین کو وہ اٹل اور حتمی اہمیت دیتے تھے۔

مندرجہ ذیل مضمون میں آزادی نسواں کے ضمن میں اقبال کے خیالات کو پیش کیا گیا ہے۔امید ہے کہ خواتین اور طالبات اس کا توجہ سے مطالعہ کریں گی۔

یورپی قومیں مذہب سے آزاد ہو کر گویا ہر بند سے آزاد ہو گئیں۔انہوں نے شرم و حیا کے فطری تقاضوں کو مکمل طور پر دبا دیا اور عیش پرستی کو زندگی کا مقصود اول بنالیا۔ظاہر ہے عورت کو اس سلسلے میں بنیادی آلہ کار کی حیثیت دی گئی، اس لیے پوری کوشش کی گئی کہ وہ جسمانی حسن و دلکشی کی علامت بن جائے اور شمع محفل بن کر ہر شخص کا دل لبھاتی رہے، لیکن چونکہ خود غرضی اور بے مروتی مغربیت کا لازمی شعار ہے اس لیے ظلم یہ کیا گیا ہے کہ عورت کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر اسے زیادہ سے عریانی و فحاشی کا پیکر بنایا گیا، مگر اسی نسبت سے اسے وقار اور تحفظ کے سارے وسائل سے محروم کر دیا گیا۔بحیثیت ماں، بیوی، بیٹی یا بہن اس کی کوئی عزت نہ رہی۔جوانی میں وہ بیک وقت کئی مردوں کی تفریح کا سامان بنتی ہے، اپنے روزگار کا انتظام بھی خود کرتی ہے، یعنی اپنی

نازک جسمانی ساخت کے باوجود دفتر یا کارخانے میں مردوں کے برابر کام بھی کرتی ہے۔اس طرح خاندانی نظام درہم برہم ہونے کی وجہ سے وہ اپنی مامتا کودبا کر بچوں سے بے نیاز رہنے پر مجبور ہوتی ہے اور اس کا بڑھاپا کسمپرسی اور بے بسی کی حالت میں گزرتا ہے۔

چونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ نے یوں تو پوری انسانی دنیا پر ناقابل بیان مظالم توڑے ہیں، مگر سب سے زیادہ ظلم و استحصال کا شکار عورت بنی ہے۔اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ شدید ٹھنڈے موسم میں مرد تو تھری پیس سوٹ پہنتا ہے، مگر عورت کو، محض سفلی جذبات کی تسکین کیلئے، منی سکرٹ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔شمالی یورپ کی ائیر ہوسٹسوں نے تو باقاعدہ احتجاج بھی کیا ہے کہ انہیں فضا کی بلندیوں میں شدید سردی محسوس ہوتی ہے، اس لئے سکرٹ کی بجائے انہیں گرم پاجامے پہننے کی اجازت دی جائے مگر وہاں کے مرد کی سنگ دلی پر اس فریاد کا کوئی اثر نہیں ہوا۔اس کے نتیجے میں عورت کا تو ظاہر ہے کہ تقدس تباہ ہونا ہی تھا، مگر اس کا وبال سارے معاشرے پر پڑا۔آزاد اور مخلوط سوسائٹی کے نتیجے میں حرامی بچوں کی غیر معمولی کثرت، طلاقوں کی بھرمار، ان گنت نفسیاتی مسائل، بے شمار جنسی بیماریاں، خودکشیاں اور ہمہ نوع خاندانی اور سماجی ابتری نے یورپ کو حیوانوں کی سطح سے بھی نیچے گرادیا ہے اور یہ تہذیب، تاریخ اور انسانیت دونوں کیلئے سرطان سے بھی خطرناک بیماری کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

یورپ والوں نے نہایت عیاری اور بدنیتی کے ساتھ کوشش کی کہ ایشیاء اور افریقہ خصوصاً اسلامی دنیا میں بھی عورت کو ویسی ہی ''آزادی'' مل جائے جیسی یورپ نے اپنے ہاں کی عورت کو دی ہے تا کہ مسلمان بھی عیاش و بے غیرت ہو جائیں اور ان کی روایتی خصوصیات یعنی شجاعت و مردانگی، حمیت و ایثار، مروت اور خدا خوفی جو زوال کے سائے میں پڑی سو رہی تھیں کسی بھی وقت بیدار ہو سکتی تھیں، بے ہوشی کی حالت میں دم توڑ جائیں۔۔۔تا کہ وہ یورپ کی غلامی کے شکنجے سے کبھی رہائی نہ پاسکیں۔

اس سلسلے میں پوری اسلامی دنیا میں آزادی نسواں کی تحریکیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ظاہر ہے یہ سب کچھ مغربی حکمرانوں، دانشوروں اور سیاست کاروں کے سوچے سمجھے منصوبے سے ہو رہا تھا۔

نام نہاد مغرب پرست طبقے نے ان تحریکوں کی کھل کر حمایت کی اور پروپیگنڈہ یہ کیا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے، اسے مرد سے پست سمجھا جاتا ہے، گھر کی چار دیواری میں بند کر کے اس کی صلاحیتوں کو اُبھرنے کا موقع نہیں دیا جاتا اور عدم مساوات اور استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ لوگ جو عموماً گروہ مترفین سے تعلق رکھتے تھے، عورتوں کو اسلامی قوانین کے تحت اپنی جائیدادوں میں تو حصہ دار بنانے پر آمادہ نہ تھے، مگر محض اپنے سفلی جذبات کو تسکین دینے اور خوئے غلامی کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے عورتوں کو بے حجاب بنانے پر تل گئے۔

اقبال نے اس صورتِ حال کو تشویش کی نظر سے دیکھا اور آزادیٔ نسواں کی اس تحریک کے سامنے بند باندھنے کا تہیہ کرلیا۔ ''ضربِ کلیم'' میں عورتوں کی آزادی یا بے راہروی کا ذمہ دار وہ جدت پسند مردوں کی حماقت اور ناعاقبت اندیشی کو قرار دیتے ہیں۔

''ضربِ کلیم'' کے اشعار ہیں۔

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں (۱)

اقبال کے نزدیک عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے وہ مرد کو اس کے اخراجات کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کو چراغِ خانہ بن کر رہنا چاہئے۔ چراغِ محفل بنے گی تو مرد کی مردانگی پر حرف آئے گا۔

نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا سرد (۲)

اِسی نقطۂ نظر کو انہوں نے ایک مضمون میں پیش کیا ہے۔ جو ۱۹۳۳ء میں "ٹورپول پوسٹ" لندن میں شائع ہوا تھا۔ مشرق اور مغرب میں خواتین کی حیثیت پر لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں:۔

"میں اس خیال سے لرزہ براندام ہوجاتا ہوں کہ عورتیں قوتِ لایموت کا خود بندوبست کریں اس طرزِ عمل سے انسانیت کا جوہر تباہ و برباد ہوجائے گا"۔(۳)

اقبال نے مثنوی اسرار و رموز، جاوید نامہ، ارمغانِ حجاز، اور ضربِ کلیم میں متعدد مقامات پر معاشرے میں عورت کی حیثیت و اہمیت اور اس کے تقدس و احترام پر اظہار خیال کیا ہے۔ وہ عورت کے معاملے میں یورپ کے طرزِ عمل پر بہت پریشان ہیں اور وہاں کی مخلوط سوسائٹی اور مخلوط تعلیم کو نفرت و بیزاری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور اس نقطۂ نظر کی تائید 'ضربِ کلیم' میں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ اسی تعلیم کو سراسر موت قرار دیتے ہیں جس سے عورت نسوانیت کے جوہر کھودے، وہ ایک مسلمان ماں کی خوبیوں سے محروم ہوجائے اور جس سے اس کا دینی کردار ختم ہوجائے۔ کتنے کرب اور دُکھ سے کہتے ہیں۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرتِ انساں کیلئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اِسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت (۴)

اور تہذیب مغرب نے جس طرح عورت کو اس کے گھر سے نکال کر زبردستی اس کے بچوں سے دور یا محروم کر کے اس کارخانوں اور دفتروں میں لا بٹھایا ہے، اس پر اقبال "خردمندانِ مغرب" کو یوں شرمندہ کرتے ہیں۔

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش (۵)

اقبال عورتوں کی بے جا آزادی کے مخالف تھے اور اسے شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ دیکھنا چاہتے تھے ۔اس سلسلے میں فقیر سید وحیدالدین روایت کرتے ہیں ۔

''ایک مرتبہ کہنے لگے کہ جس قوم نے عورت کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی ہے ۔عورت پر اللہ تعالٰی نے اتنی اہم ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی ۔اگر اسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہو گا، مثلاً عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے، ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوسناک کوشش ہے''۔ (۶)

آزادی نسواں کے حامی مغرب پسند حضرات کی روش پر اقبال یوں پریشانی کا اظہار فرماتے ہیں۔

''معاشرتی اصلاح کے نوجوان مبلغ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے چند جرعے مسلم خواتین کے تن مردہ میں نئی جان ڈال دیں گے اور وہ اپنی ردائے کہنہ کو پارہ پارہ کر دے گی ۔شاید یہ بات درست ہو، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے آپ کو برہنہ پا کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنا جسم ان نوجوان مبلغین کی نگاہوں سے چھپانا پڑے گا''۔(۷)

اقبال عورتوں کے پردے کے شدت سے حامی تھے ۔ چنانچہ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ حکومت برطانیہ نے اقبال کو جنوبی افریقہ میں اہم سفارتی عہدے کی پیشکش کی، مگر شرط یہ رکھی کہ ان کی بیگم کو مخلوط محفلوں میں جانا پڑے گا ۔اقبال نے اس شرط کو قبول نہیں کیا اور پیشکش ٹھکرا دی ۔(۸)

ملفوظاتِ اقبال میں روسی ترکستان کے ایک عالم موسیٰ جار اللہ سے اقبال کی گفتگو خاصی

بصیرت افروز ہے۔ متعلقہ عبارت یوں ہے:۔

''موسیٰ جار اللہ صاحب تشریف لے آئے پردے کے متعلق باتیں ہونے لگیں، ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے۔ ''فطرت کا تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز جس میں تخلیقی صفات ہوں، پردے میں رہے، خود خدا کو دیکھئے بے حجاب نہیں۔ زندگی کو لیجئے اگرچہ اس کے آثار کو ہم دیکھ سکتے ہیں، مگر بذات خود وہ ہماری نظروں سے پنہاں ہے۔۔۔'' اس پر موسیٰ جار اللہ نے کہا کہ ہم لوگ بھی پردے کے قائل تو ضرور ہیں، مگر حجاب رُو کو ضروری نہیں سمجھتے اور نہ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی نص قطعی ہے۔ ''ڈاکٹر صاحب نے فرمایا نہیں، قرآن حجاب رُو کا قائل ہے''۔ (۹)

اور ''مقالات'' میں رقم طراز ہیں۔

''مغربی دنیا میں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے اُلٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظامِ معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک افرادِ قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے، جو نتائج مرتب ہوں گے، وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے''۔ (۱۰)

بقول فقیر سید وحید الدین (روزگارِ فقیر جلد اول، ص ۱۶۶) اقبال زن و مرد کی ترقی، نشو و نما اور تعلیم و تربیت کیلئے جداگانہ میدانِ عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی، چنانچہ موصوف محترم عورتوں کیلئے ان کے لئے ان کی طبعی و فطری ضروریات کے مطابق الگ نظامِ تعلیم اور الگ نصاب چاہتے ہیں۔

''شذرات'' میں لکھتے ہیں۔

''تعلیم بھی دیگر امور کی طرح قومی ضروریات کی تابع ہوتی ہے۔ ہمارے مقاصد کے پیش نظر مسلمان بچیوں کیلئے مذہبی تعلیم بالکل کافی ہے۔ ایسے مضامین جن میں عورت کو نسوانیت اور دین سے محروم کر دینے کا میلان پایا جائے احتیاط کے ساتھ تعلیم نسواں سے خارج کر دیے جائیں''۔ (۱۲)

اِس سلسلے میں ''ملفوظاتِ اقبال'' میں ان کا ایک قول ہے:۔

''تعلیم کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مسلمانوں نے دنیا کو دکھانے کیلئے دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہی، لیکن نہ تو دنیا حاصل کر سکے اور نہ دین سنبھال سکے۔ یہی حال آج مسلم خواتین کا ہے جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دین بھی کھو رہی ہیں''۔(۱۳)

چنانچہ ایک مرتبہ جب اقبال بھوپال میں بغرض علاج اپنے دوست سر راس مسعود کے ہاں مقیم تھے تو دوران گفتگو لیڈی مسعود کے جواب میں فرمایا ''بے شک قرآن کریم میں حصول علم پر بڑا زور دیا گیا ہے، لیکن اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک مکتب میں مل جل کر تعلیم حاصل کریں''۔(۱۴)

دراصل اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کیلئے قابل تقلید نمونہ نبی اکرمﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ کا اسوہ ہے چنانچہ اسی نسبت سے وہ خواتین کو تلقین کرتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزھراؓ کی پیروی اختیار کریں اور اپنی آغوش میں ایسے بچوں کی پرورش کریں جو بڑے ہو کر شبیر صفت ثابت ہوں، ''رموز خودی'' میں لکھتے ہیں۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوہ کامل بتولؓ (۱۵)

اور ''ارمغانِ حجاز'' میں خواتین کو یوں نصیحت کرتے ہیں۔

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بہ میرد ، تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری (۱۶)

''یعنی ایک درویش کی نصیحت کو قبول کرلو تو ہزار قومیں ختم ہو جائیں، لیکن تم ختم نہیں ہو سکتیں اور درویش کی نصیحت یہ ہے کہ بتولؓ بن کر زمانہ حاضر کی نگاہ بد سے اوجھل ہو جاؤ (یعنی پردہ اختیار کرلو) تا کہ تم اپنی آغوش میں ایک شبیر کو پال سکو۔''

اور اس قول فیصل کے بعد اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یوم الحساب

﴿تحریر! امتیاز احمد﴾

جب جناب محمد رسول اللہﷺ نے مکہ مکرمہ میں دین حق کی تبلیغ شروع فرمائی تو آپﷺ نے تین باتوں پر خصوصیت سے زور دیا۔

ا۔اللہ تعالٰی کی ذات واحد کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔کسی کو اللہ کا شریک مت بناؤ۔اہل مکہ کو ایک خدا کی پرستش پر اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ خدائے واحد کے ساتھ بہت سارے دوسرے خداؤں کی شمولیت بھی چاہتے تھے۔لیکن یہ لوگ اپنی بات منوانے کیلئے حضورﷺ پر زیادہ زور نہیں ڈال سکتے تھے۔

۲۔ دوسرے اللہ کے رسولﷺ نے اعلان کیا''مجھے اللہ تعالٰی نے اپنا نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔کفار مکہ اس بات کو بھی نہیں ماننا چاہتے تھے لیکن چونکہ وہ لوگ اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھے کہ اہل مکہ نے خود ہی حضورﷺ کی دیانتداری،نیکی اور سچائی کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد آپ کو''صادق اور امین''کا لقب دیا۔لہٰذا کافروں کیلئے حضورﷺ کے اس سچے دعوے کو جھٹلانا بہت مشکل تھا۔

۳۔ اللہ کے رسولﷺ نے اعلان فرمایا۔''ایک دن(قیامت کا)آنے والا ہے جس دن تم سب کو اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے نیک اعمال کی جزاء اور اعمال بد کی سزا پوری پوری دی جائے گی''۔

اس اعلان کے سنتے ہی کفار مکہ کو حضورﷺ کے اس دعوی کی مخالفت کا موقع مل گیا۔مشرکین مکہ نے حضورﷺ سے کہا۔سورۃ الواقعہ:47-48۔

وکانوا یقولون ائذا متنا وکنا ترابا و عظما ءنا لمبعوثونo او ءاباؤنا الاولونo

(ترجمہ)اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں(ہی ہڈیاں ہو گئے)تو کیا ہمیں پھر اُٹھنا ہوگا،اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟

کفارِ مکہ نہ صرف یہ کہ اس قسم کے سوالات کرتے تھے بلکہ حضورﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے اوران کو (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) دیوانہ اور مجنوں کہا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی بیہودہ گوئی کا جواب دیا۔سورہ الواقعہ 49 تا 46۔

قل ان الاولین والاخرین ٥لمجموعون الی میقت یوم معلوم٥ثم انکم ایھا الضالون المکذبون ٥ لاکلون من شجر من زقوم ٥ فمالون منھا المبطون٥فشربون علیہ من الحمیم٥ فشربون شرب الھیم٥ھذا نزلھم یوم الدین٥

(ترجمہ) کہہ دو کہ بیشک پہلے اور پچھلے، (سب) ایک روز مقرر وقت پر جمع کئے جائیں گے، پھر تم اے جھٹلانے والو گمراہ ہو! تھوہر کے درخت کھاؤ گے، اور اُسی سے پیٹ بھرو گے، اور اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے، اور پیو گے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں، جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

لفظ "نزل" کا مطلب ابتدائی مہمان نوازی ہے، پس "نزلھم" انکی ابتدائی مہمان نوازی ہے، اس کے بعد جو سلوک ان (کفار) کے ساتھ ہوگا وہ اور بھی زیادہ اذیت ناک ہوگا۔اہل مکہ سوالیہ انداز میں پوچھتے تھے۔سورۃ الملک:25

ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صدقین٥

(ترجمہ) اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔سورۃ الملک 26

قال انما العلم عنداللّٰہ وانما انانذیر مبین٥

(ترجمہ) کہہ دو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔اور میں تو واضح طور پر متنبہ کرنے والا ہوں۔

کفار مکہ قیامت واقع ہونے والے دن کے متعلق باربار ندا حیہ انداز میں حضورﷺ سے پوچھا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔سورۃ النباء 4-5

کلاسیعلمون ٥ثم کلا سیعلمون٥

(ترجمہ) دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے، پھر دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔

پہلی آیات کا مطلب ہے تم عالم برزخ میں جان لوگے۔(یہ موت کے بعد سے شروع ہوکر قیامت واقع ہونے تک کا وقفہ ہے)اورتم قیامت کے دن جان لوگے۔وہ بھی بہت قریب ہے۔

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ہمیں بڑی تفصیل سے آگاہ فرماتا ہے کہ اُس کے نزدیک یوم قیامت قائم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔سورۃالنباء:6تا16

الم نجعل الارض مهدا oوالجبال اوتادا oوخلقنكم ازوجا oوجعلنا نومكم سباتا oوجعلنا اليل لباسا oوجعلنا لنهار معاشا oوبنينا فوقكم سبعا شدادا oوجعلنا سراجا وهاجا oوانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا oلنخرج به حبا ونباتا oوجنت الفافا o

(ترجمہ) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟،اور پہاڑوں کو(اسکی) میخیں (نہیں ٹھرایا؟)، (بیشک بنایا)اورتم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا،اور نیند کو تمہارے لئے (موجب) آرام بنایا۔اور رات کو پردہ مقرر کیا،اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا،اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے،اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا،اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا،تا کہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں،اور گھنے گھنے باغ۔

پس جب وہ مندرجہ بالا تمام باتیں انتہائی آسانی سے اور بغیر کسی کی مدد کے کرسکتا ہے تو پھر وہ قیامت کیوں قائم نہیں کرسکتا؟ بے شک وشبہ کرسکتا ہے۔مثال کے طور پر اس نے نیند جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے جس کے بعد ہم تروتازہ ہوکر بیدار ہوتے ہیں۔اگر ہم نیند سے کنارہ کش ہونا بھی چاہیں تب بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں سلا دیگا۔اور غریبوں کو امیروں سے زیادہ پر سکون نیند دے گا۔جب اللہ تعالیٰ روز ازل سے آج کے دن تک ہم پر نینداور اس جیسی ایک نہیں ان گنت نعمتیں بغیر کسی معاوضہ کے عطا کرسکتا ہے تو کیا وہ قیامت قائم نہیں کرسکتا؟ آیئے ہم روز قیامت کے کچھ مناظر پر نظر ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ جنت کے بارے میں فرماتا ہے۔سورۃالطور:17تا20

ان المتقین فی جنت ونعیمoفکہین بما اتھم ربھم ووقھم ربھم عذاب الجحیمoکلوا واشربوا ھنیئا بما کنتم تعملونoمتکئین علی سرر مصفوفۃ وزوجھم بحور عینo

(ترجمہ) جو پرہیز گار ہیں وہ باغوں اور نعمتوں میں ہونگے، جو کچھ ان کے پروردگار نے انکو بخشا اس (کیوجہ) سے خوشحال ہوں گے اور انکے پروردگار نے انکو دوزخ کے عذاب سے بچالیا، (اب تم) اپنے اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو تختوں پر جو برابر برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم انکا عقد کردیں گے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ سورۃ الحاقۃ: 19 تا 24

فاما من اوتی کتبہ بیمینہ فیقول ھائوم اقرء واکتبہoانی ظننت انی ملق حسابیہoفھو فی عیشۃ راضیۃoفی جنتہ عالیہoقطوفھا دانیۃoکلوا واشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃo

(ترجمہ) تو جس کا (اعمال) نامہ اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجئے میرا نامہ (اعمال) پڑھیئے، مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا، پس وہ (شخص) من مانی عیش میں ہوگا، (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں، جن کے میوے جھکے ہوئے ہونگے، جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

اسی طرح اللہ اہل جنت کے بارے میں فرماتا ہے۔ سورۃ یٰس: 55 تا 58

ان اصحب الجنۃ الیوم فی شغل فکھونoھم ازواجھم فی ظلل علی الاراک متکئونoھم فیھا فکھۃ وھم مایدعونoسلم قولا من رب رحیمہo

(ترجمہ) اہل جنت اس روز عیش ونشاط کے مشغلے میں ہوں گے۔ وہ بھی اور انکی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں ان کے لئے میوے اور جو چاہیں گے (موجود ہوگا)۔ پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے)۔

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ اہل جنت سے پوچھے گا "اے میرے فرمانبردار بندو بتاؤ تو تمہیں اور کیا چاہیے؟" اللہ کے نیک بندے جواب دیں گے۔ "پروردگار تو نے ہمیں سب کچھ تو عطا فرمادیا ہے اب ہمیں کسی چیز کی کوئی بھی خواہش نہیں ہے"۔ اللہ تعالیٰ یہ جواب سن کر فرمائے گا۔ "اے میرے بندو اب میں تمہیں وہ نعمت عظیم عطا کرنے والا ہوں جواب تک کی دی گئی تمام تر نعمتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے!" اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے تمام تر جلووں سمیت اہل جنت کے روبرو آجائے گا۔ اور اہل جنت کی پیاسی آنکھیں دیدار خداوندی سے سیراب ہوجائیں گی! اور اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سلام سے نوازے گا۔

برعکس اسکے اللہ تعالیٰ بدکاروں اور گناہ گاروں کو سزائیں دے گا، اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ سورۃ الملک: 6 تا 10

وللذین کفرو بربھم عذاب جھنم وبئس المصیر ٥اذا القوا فیھا سمعوا لھا شھیقا وھی تفور٥تکاد تمیز من الغیظ کلما القی فیھا فوج سالھم خزنتھا الم یاتکم نذیر٥قالو بلی قد جاءنانذیر فکذبنا وقلنا مانزل اللّٰہ من شیء ان انتم الا فی ضلل کبیر٥وقالو لوکنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحب السعیر٥

(ترجمہ) اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے، جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی، گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی جب اس میں انکی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس ہدایت کرنیوالا آیا تھا لیکن ہم نے اسکو جھٹلا دیا اور کہا کہ خدا نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی۔ تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو، اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ الحاقہ: 25 تا 29

واما من اوتی کتبه بشماله فیقول یلیتنی لم اوت کتبه oولم ادرماحسابیه oیلیتها کانت القاضیة oمااغنی عنی مالیه oهلك عنی سلطنیةo

(ترجمہ) اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا نامہ (اعمال) نہ دیا جاتا، اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے، اے کاش موت (ہمیشہ کیلئے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی، (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔

اسی طرح کافروں کو سزائیں دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ المدثر: 40 تا 48

فی جنت یتساء لونoعن المجرمینoماسلککم فی سقر oقالو لم نك من المصلینoولم نك نطعم المسکین oوکنا نخوض مع الخائضین oوکنا نکذب بیوم الدین oحتی اتنا الیقینoفما تنفعهم شفعة الشفعینo

(ترجمہ) وہ باغہائے بہشت میں (ہونگے اور) پوچھتے ہونگے، (یعنی آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے، کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دینگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے، اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے۔ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی تو (اس حال میں) سفارش کرنیوالوں کی سفارش کچھ فائدہ نہ دیگی۔

جنت اور دوزخ کے یہ مناظر ہمیں اس لئے دکھائے گئے ہیں کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں۔ یاد رکھئے کہ جنت میں داخلہ صرف ہمارے نیک اعمال سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ہم سب کو مرتے وقت کلمہ شہادت نصیب فرمائے اور اپنی رحمت سے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین ثم آمین یارب العالمین)

اقبالؒ کانظام فکر اور سائنسی علوم

﴿تحریر:محمد فیصل مقبول عجز﴾

☆آج مغرب نے سائنس کے میدان میں جوترقی کی ہے مسلمان سائنس دانوں کی مرہون منت ہے۔درحقیقت سائنس مسلمانوں کی گمشدہ میراث ہے جسے ہم نے اپنی علمی کوتاہیوں کی وجہ سے کھودیا ہے۔علم سائنس کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد تسخیر کائنات ہے اور اقبال نے یہی پیغام اپنی شاعری میں جا بجادیا ہے۔

☆وقت کا تقاضا ہے کہ اب فقہی مسائل کی چھان بین کی جائے اہم شعبہ ہائے علم کی طرف توجہ کریں جوہنوز محتاج تحقیق ہے۔ریاضیت،عمرانیات،طب وطبیعات میں مسلمانوں کے شاندار کارنامے ابھی تک دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مستور اور پنہاں ہیں جن کے احیا کی ضرورت ہے۔

مفکر اسلام،شاعر مشرق اور فلسفی شاعر ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شاعری اور خطبات (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ) میں جدید علوم وفنون بالخصوص سائنسی علوم کی اہمیت اور حصول پر بہت زور دیا ہے علامہ سائنس اور اس سے متعلقہ علوم کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے لہٰذا انہوں نے سائنسی علوم سے نہ صرف بحث کی بلکہ ان سربستہ رازوں کے حقائق سے بھی پردہ کشائی کی ۔علامہ اقبالؒ کا انداز فکر ہمیشہ سے ہی سائنسی رہا۔وہ نہ صرف قدیم وجدید فلسفہ پر گہری نظر رکھتے تھے بلکہ دور حاضر کے جدید تر سائنسی نظریات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اقبال ان بدلتے ہوئے سائنسی نظریات کو بعینہ کی صحیح قدر و قیمت متعین کرتے ہیں ۔قدیم یونانی فلسفی ارسطو کے بعد اگر کسی فلسفی نے ایک مکمل اور مربوط فلسفیانہ نظام دیا ہے تو وہ اقبالؒ ہیں لیکن انہوں نے اپنے فلسفیانہ نظام کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی۔علامہ کو دورجدید کا سب سے بڑا فلسفی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

یورپ پر تقریباً ہزار سال تک لاعلمی اور ظلمت کے بادل چھائے رہے۔ان تمام علوم پر پابندی لگادی گئی جن کا تذکرہ انجیل میں نہیں تھا۔بالخصوص سائنسی علوم پر۔تمام یونانی سائنسی

سکول بند کر دیئے گئے۔ یونانی حکماء بالخصوص افلاطون، ارسطو وغیرہ کی کتب پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ یورپ کے کئی عظیم کتب خانے سپرد خاک کر دیئے گئے۔ موجودہ حکماء فلاسفہ اور سائنسدانوں کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔ یہی نہیں انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس کا بھی قتل عام کیا جن کو قدیم حکما کے نظریات سے اتفاق تھا۔ مورخین اس زمانے کو تاریکی کا زمانہ کہتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس دور میں سائنس کیلئے عملی و تجرباتی اصول وضع کئے جبکہ عیسائیت نے اہل مغرب کے ذہنوں پر قفل لگا رکھے تھے۔ اس دور میں فلسفہ، طب اور سائنس کے فراموش شدہ علوم کو نہ صرف زندہ کیا بلکہ اپنی جدید تحقیقات سے اس کو وسعت بخشی۔ مسلم سائنس دانوں (ابن سینا اور فارابی) نے استقرائی طریق استدلال پر زور دیا اور مغرب نے استقرائی طریق استدلال مسلمانوں سے ہی سیکھا۔

''میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام مغربی تہذیب کے عمدہ اصولوں کا سرچشمہ ہے۔ پندرہویں صدری عیسوی سے جب یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا ہے۔ یورپ میں علم کا چرچا مسلمانوں ہی کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا۔ ان یونیورسٹیوں میں مختلف یورپی ممالک کے طلبہ آکر تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے حلقوں میں علوم وفنون کی اشاعت کرتے تھے۔ غرض یہ کہ تمام وہ اصول جن پر علوم جدیدہ کی بنیاد ہے، مسلمانوں کے فیض کا نتیجہ ہیں''

آج مغرب نے سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے مسلمان سائنس دانوں کی مرہون منت ہے۔ درحقیقت سائنس مسلمانوں کی گمشدہ میراث ہے جسے ہم نے اپنی علمی کوتاہیوں کی وجہ سے کھو دیا ہے۔ علم سائنس (ایسے علوم جن کا تعلق کائنات کی تسخیر سے ہے اور ان کا دائرہ کار عملی مشاہدات، تجربات اور نتائج حاصل کرنے تک محدود ہے) کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد تسخیر کائنات ہے اور اقبال نے یہی پیغام اپنی شاعری میں جابجا دیا ہے۔ یہی نہیں اقبالؒ خدا انسان اور کائنات کے مابین ازلی رشتہ سے بھی بحث کرتے ہیں۔

فطرت کو خرد کے رو برو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

1933ء میں ادارہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے صدارتی خطاب میں علامہ نے فرمایا:

''وقت کا تقاضا ہے کہ اب فقہی مسائل کی چھان بین کی جائے۔اہم شعبہ ہائے علم کی طرف توجہ کریں جو ہنوز محتاج تحقیق ہیں۔ریاضیات،عمرانیات،طب وطبیعیات میں مسلمانوں کے شاندار کارنامے ابھی تک دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مستور اور پنہاں ہیں جن کے احیا کی ضرورت ہے''۔

آپ نے اسی خطبے میں آگے مزید کہا:

''یورپ کے سائنسدان بیسویں صدی میں جن نظریات اور انکشافات کو اپنے لئے نئی چیز سمجھتے ہیں،ان پر عرب علماء اور فضلا صدیوں سے سیر حاصل بحثیں کر چکے ہیں۔یورپ کیلئے نظریہ اضافت نیا ہے لیکن صدیوں قبل مسلمان سائنسدان اس نظریہ کے مبادی زیر بحث لا چکے ہیں''۔

مسلم سائنسدانوں میں جابر بن حیان،حنین بن اسحاق محمد بن موسیٰ خوارزمی محمد بن زکریا الرازی،ابوالوفابوزجانی،البیرونی،بوعلی سینا،عمر خیام اور نصیر الدین طوسی کے نام پوری دنیا میں قابل ذکر ہیں۔مسلمان فضلا کی عملی خدمات کا صحیح اندازہ لگانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم جدید تہذیب کی عظمت اور اس کی برتری کے وجود وعلل سے کماحقہ،واقف ہوں۔یورپ کی ترقی اور عظمت بڑی حد تک ان علوم وفنون کی ترقی کا نتیجہ ہے جو نشاۃ ثانیہ کے بعد سے عام یورپی سماج کا خصوصی امتیاز بن گئے ہیں۔ان علوم وفنون میں ریاضی وہندسہ کا بلند مقام ہے جنہوں نے نہ صرف تسخیر کائنات ہی میں انسان کو معاونت کی ہے بلکہ اس کی فکر میں صیقل وجلا اور نظر میں تدقیق وباریک بینی پیدا کر کے عہد حاضر کے انسان کو''فوق الانسان''بنادیا ہے۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

علامہ جدید علوم وفنون بالخصوص علم فلکیات،طبعیات،حیاتیات،علم نجوم اور اس سے متعلقہ دیگر علوم سے بحث کرتے نظر آتے ہیں۔

طبیعیات:

اقبالؒ جدید طبیعات کے نظریات میں دلچسپی رکھتے تھے لہٰذا اقبالؒ نے بڑی تفصیل سے طبیعی نظریات کو اپنے خطبات میں بیان کیا ہے۔قرآن مجید کا ارشاد ہے:

''ہم نے زمین اور آسمان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

آئن سٹائن کا نظریہ اضافت جدید طبیعیات کی اساس ہے اس نظریے نے جدید طبیعیات کے اساسی تصورات، زمان و مکان، مادہ اور دوسرے جدید نظریات کو نئی جہت عطا کی ہے۔نظریہ اضافت ساری کائنات پر محیط ہے اس نظریے کا دائرہ کار ایک طرف ستاروں اور کہکشاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے تو دوسری طرف یہ نظریہ ایٹم اور عناصر کی دنیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔نظریہ اضافت بنیادی طور پر طبیعیات کا موضوع ہے لیکن اضافت کا تصور صرف طبیعیات تک محدود نہیں بلکہ اس کی جھلک ہماری روزمرہ زندگی میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ساری کائنات میں مطلق سکون کہیں نہیں ہے اور تمام طاقتیں اضافی ہیں تو ہم جس چیز کو بھی چاہیں ساکن متصور کرلیں اور باقی اجسام کی حرکت وسکون کو اس اضافت سے بیان کرلیں۔ادبیات میں نظریہ اضافت کو متعارف کروانے کا سہرا اقبالؒ ہی کے سر ہے جنہوں نے اپنے بے شمار اشعار میں اس نظریے کے منفرد پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے۔اقبالؒ آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا مکاں اور زماں اور

اقبالؒ کے نزدیک مکان و زمان مطلق نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار سالک کے احوال، حرکت وسکون اور مقامات پر ہے۔اقبال نے اپنے خطبات میں بھی آئن سٹائن کے نظریہ کو سراہا ہے، لکھتے ہیں۔

آئن سٹائن کے نظریے نے کائنات کو ایک نئے روپ میں پیش کر دیا ہے اور ہم محسوس کر رہے ہیں کہ اس طرح ان مسائل پر جو فلسفہ اور مذہب میں مشترک ہیں، نئے نئے زاویوں کے

ماتحت غور کرنا آسان ہو گیا ہے"۔

اقبالؒ کی نظر اس نظریے کے دیگر پہلوؤں پر بھی تھی جن کا تذکرہ آپ نے جابجا خطبات میں کیا ہے لکھتے ہیں:

"آئن سٹائن کے نزدیک مکان کا وجود اگرچہ حقیقی ہے لیکن ناظر کے لئے اضافی۔۔۔۔ جوں جوں ناظر اپنے عمل اور رفتار میں تغیر و تبدل ہوتا جائے گا بعینہ حرکت و سکون کا وجود بھی اضافی ہے اور اس لئے قدیم طبیعیات کا یہ عقیدہ کہ مادہ کوئی قائم بذات سے ہے، صحیح نہیں ہے"۔

نظریہ اضافت نے جدید طبیعیات کے نظریات میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اور اقبالؒ بھی اس نظریہ کے معترف ہیں لیکن انہیں اس نظریہ پر یہ اعتراض ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے سے یہ بات صادق آتی ہے کہ اس کائنات میں ہر شے پہلے سے متعین ہے لکھتے ہیں:

"جب آئن سٹائن یہ کہتا ہے کہ یہ تصور صحیح نہیں کہ کائنات ایک ایسے جزیرے کی طرح ہے جو مکان لامتناہی میں واقع ہے اس کا امکان بجائے خود متناہی ہے، کو غیر محدود ۔ یا یوں کہیے کہ اگر مادے کا وجود نہ ہوتا تو کائنات بھی سمٹ کر ایک نقطے پر آ جاتی۔ اقبالؒ کے نزدیک اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زمانے کا وجود غیر حقیقی ہے کیونکہ جس نظریے کی رو سے زمانے کی حیثیت بعد اربع سے زیادہ نہیں اس میں یہ ماننا لازم آئے گا کہ ماضی کی طرح مستقبل کا وجود بھی پہلے ہی سے قائم ہے اور اس لئے متعین"۔

آج آئن سٹائن اور اس کے نظریے اضافت کا بول بالا ہے اور اس کے ذریعے کائنات کے بہت سے مظاہر کی تشریح ہوتی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ نظریہ اپنے موضوع پر حرف آخر ہے کسی وقت بھی ایسے حقائق سامنے آ سکتے ہیں جن کے تحت یہ نظریہ غلط ثابت ہو۔

طبیعیات کا ایک اہم مسئلہ حرکت کا مسئلہ ہے۔ بطلیموسی نظام کے مطابق تمام اجرام فلکی ہماری زمین کے گرد دائروں میں محو حرکت ہیں۔ سولہویں صدی میں اس نظریہ کو کوپرنیکس نے رد کیا اور نیا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق اس نظام قدرت کا مرکز سورج قرار پایا۔ ٹائیکو براہو نے اجرام فلکی کی حرکات کے گہرے مشاہدے کئے۔ انہیں مشاہدات کی مدد سے کیپلر نے یہ ثابت کیا کہ

سورج کے گرد سیارے دائرے میں نہیں بلکہ بیضوی مدار میں حرکت کرتے ہیں۔اجرام فلکی کی حرکات کے حوالے سے نیوٹن اور آئن سٹائن نے بھی بہت کام کیا۔اقبالؒ نے اپنی شاعری میں اس مسئلہ کے بارے میں اظہار کیا ہے۔اقبالؒ کی نظر میں اس نظریہ کی صداقت کے لئے ہمیں قرآن سے رجوع کرنا چاہیےاس مسئلہ کا واضح حل پیش کرتا ہے۔

''بے شک اللہ آسمان اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کی سوا انہیں کون روکے۔بے شک وہ علم والا اور بخشنے والا ہے''(پارہ22 سورہ35 آیت 41)

اس آیت نے نہ صرف حرکت زمین و آسمان کا رد کر دیا ہے بلکہ زمین کی گردش (سورج کے گرد) اور محوری (محور کے گرد) حرکات کو بھی رد کر دیا ہے۔اقبالؒ بھی اس اسلامی موقف کے حامی ہیں کہ ہر متنازعہ سائنسی نظریے یا مفروضے کا حل یہی ہے کہ قرآن،سنت نبویﷺ اور مآ خذات فقہ سے استفادہ کیا جائے۔

نظریہ کوانٹم:

موجودہ صدی کے آغاز میں میکس پلانکس نے ایک نظریہ پیش کیا جسے نظریہ قدر (Quantum Theory) کہتے ہیں۔نیز ایٹم کی ایک بڑی عجیب خاصیت کا انکشاف ہوا جیسے تابکاری۔تابکاری ایک ایسا مظہر ہے جو علت و معلول کے سلسلے کی تردید کرتا ہے۔بعد ازاں ہائزن برگ نے نظریہ قدر کو ایک نئی صورت میں پیش کیا۔جسے قدری میکانیات کہتے ہیں۔اقبال کو اس نظریہ سے خاص شغف تھا اپنی شاعری میں کہیں کہیں اس نظریے کا حوالہ دیا ہے اور اپنے خطبات میں بھی پلانکس کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے۔لکھتے ہیں:

''پلانکس میکس کے نظریہ مقادیر کے تحت جو تجربات کئے گئے ہیں ان کی رو سے اب یہ کہنا ناممکن ہے کہ جوہر مکان میں بہ تسلسل اپنا راستہ طے کرتا رہتا ہے''۔

وحیدالدین اپنی کتاب میں نظریہ مقادیر کے حوالے سے اقبال کے خیالات کو یوں نقل کرتے ہیں۔

''ایک روز میکس پلانکس کے کوانٹم اور اس کے بعد کی علمی تحقیق کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

ممتاز حسین نے سائنس کی اس دریافت کا ذکر کیا کہ جب بہت سے برقیرے مل کر حرکت کرتے ہیں تو ان کا عمل یکساں ہوتا ہے یعنی اس عمل کے نتائج یکساں ہوتے ہیں لیکن جب ایک برقیہ اپنی انفرادی حیثیت میں مصروف عمل ہو تو یہ ضروری نہیں کہ یکساں حالات میں اور یکساں اسباب کے پیش نظر اس برقیے کا ردعمل یکساں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب و نتائج کے جس رشتے کی بنیاد پر سائنس کا سارا کارخانہ قائم ہے خود وہ رشتہ کمزور نظر آتا ہے اور کائنات کی بنیادی ساخت میں کچھ غیر متعین عناصر ایسے ہیں کہ جن کے عمل کے بارے میں کوئی پیشگی اندازہ کرنا ممکن نہیں"۔

علامہ نے فرمایا اب سائنسی سوالوں میں یہ حقیقت منکشف ہو رہی ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نے مختصر طور پر یوں فرمایا ہے۔

"ان اللہ علی کل شی قدیر"

ایٹمی طبیعیات:

ایٹم جس کا مرکزی حصہ نیوکلیس کہلاتا ہے اور اس کے مرکزے میں جو ذرات موجود ہوتے ہیں انہیں پروٹان اور نیوٹران کہتے ہیں۔ ایٹم کے مرکزے کے گرد جو ذرات مدار میں حرکت کرتے ہیں انہیں الیکٹران کہتے ہیں۔ ایٹم کے مدار میں بے پناہ توانائی پائی جاتی ہے۔ سائنس دانوں نے یورینیم کے نیوکلیس یعنی مرکزہ پر نیوٹران کے ذریعے پے در پے حملے کئے اور توانائی کی بہت بڑی مقدار حاصل کی۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اس تجربے سے یہ بات واضح ہوئی کہ یورینیم کا ایک مرکزہ ٹوٹنے سے دو مزید مرکزے بن گئے۔ اسی بے پناہ توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے جنگ عظیم میں ناگاساکی اور ہیروشیما پر بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

جب پروردگار نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے عرض کی کہ اے مالک کُل یہ مخلوق جسے تو پیدا کرنے والا ہے کہیں دنیا میں فساد نہ پھیلائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا

تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ ناگاساکی اور ہیروشیما کی تباہی کے بعد یہ شہر پھر آباد ہوئے اور آج یہ شہر پہلے سے زیادہ ترقی کے مراحل طے کررہے ہیں۔ اقبالؒ ایسے موقع پر ایسے جذبات کا اظہار برملا کرتے ہیں۔

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

ایٹم کے انشقاق سے یورینیم کے نیوکلیس کو تقسیم در تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس سے اس کا مرکزہ تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ عمل اتنی تیز رفتاری سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ایک دھماکہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اگر مادہ روشنی کی رفتار (جو کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے) سے خارج ہو تو مادہ توانائی کی بہت بڑی تعداد کا اخراج کرتا ہے۔ جس سے بعض اوقات دھماکے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک خاص رفتار کے بعد مادہ، مادہ نہیں رہتا بلکہ توانائی (انرجی اینڈ لائٹ) میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اقبالؒ نے ایٹم کی مخفی توانائی کی حقیقت کو اپنے اس مصرع میں بیان کیا۔ ع

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

علم فلکیات:

سائنس کی ایک شاخ "ہیئت" یعنی اسٹرانومی (Astronomy) ہے۔ جو اجرام فلکی مثلاً سورج، چاند، سیاروں اور ستاروں سے متعلق ہے اور اسی وجہ سے بعض اوقات اس کو "فلکیات" بھی کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانے سے ہی فلکیات میں دلچسپی لی جاتی رہی ہے لیکن مسلمانوں نے اپنے دور حکمرانی میں مطالعہ افلاک سے خاص شغف کا اظہار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور کے جن سائنس دانوں نے اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے شہرت دوام حاصل کی ہے ان میں زیادہ تعداد ہیئت دانوں کی ہے۔

اس نظام شمسی میں سورج ایک ستارہ یا ثابت ہے، کائنات میں ایسے ہزاروں ستارے یا ثوابت مشاہدہ کئے جاچکے ہیں اور یہ ستارے یا سورج جسامت کے لحاظ سے ہمارے سورج سے

بہت بڑے ہیں ۔ہمارے سورج سےتقریباً400 کھرب کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سورج موجود ہے جو ہمیں محض روشنی کا ایک چھوٹا سا ذرہ نظر آتا ہے۔بہت سے ایسے سورج خلا میں بکھرے پڑے ہیں۔یہ رات کے وقت ہمیں صرف چھوٹے چھوٹے ذرات کی شکل میں نظر آتے ہیں ۔یہ اجسام بہت بڑے ہیں اور سورج کی مانند روشن ہیں ۔

آنکھوں سے ہیں ہماری غائب ہزاروں انجم
داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورجوں کا ذکر کیا ہے جو کہکشاؤں کی صورت میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں ۔ ہمارا نظام بھی ان کہکشاؤں کا حصہ ہے۔ہزاروں ستارے ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ لہٰذا ان تک رسائی ممکن نہیں ۔دورِ جدید میں دوربین کی ایجاد نے ان مسائل پر کافی حد تک قابو پا لیا ہے لیکن ابھی بھی ہزاروں ستارے ایسے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں یا جنہیں ہم دوربین سے بھی نہیں دیکھ پائے ۔یہ تمام ستارے ایک نظام کے تحت خلا میں بکھرے پڑے ہیں ۔عصر حاضر میں انسان اس کوشش میں مصروفِ عمل ہے کہ سیاروں یا ستاروں تک پہنچا جائے جہاں جاندار اور زندہ مخلوقات آباد ہیں ۔علامہ اپنے اشعار میں ایسی ہی دنیاؤں اور جہانوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

سورج ہمارے نظامِ شمسی کا مرکز ہے ۔زمین،زہرہ،مریخ،عطارد،مشتری،نیپچون،پلوٹو،ان کے چاند اور دیگر کئی سیارے سورج کے گرد محوِ حرکت ہیں ۔سورج کے مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب سے دن رات بنتے ہیں ۔رات کے وقت چاند کا نکلنا اور سورج کے نکلتے ہی غائب ہوجانا، چاند کا نئی نئی شکلیں بدلنا، ابتدائی سات دن کے بعد چاند کا نصف آسمان سے نکلنا یعنی سر سے سیدھا نمودار ہونا اور پورے دائرے کی شکل اختیار کر لینا، چودھویں رات کو چاند کا بالکل سورج کی طرح مشرق سے نکلنا اور سورج کی مانند پورا گول ہوجانا وغیرہ وغیرہ چاند کے گھٹنے

بڑھنے سے قمری ماہ بنتے ہیں اور بارہ ماہ بعد ایک سال۔

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز! کبھی صبح کبھی شام

موجودہ نظریے کے مطابق آسمان کوئی چیز نہیں سوائے حد نگاہ کا نام۔ سات آسمانوں کا ذکر قرآن پاک میں بھی جابجا ملتا ہے اور احادیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔ سماء کے معنی بلندی کے ہیں۔ امام راغب کے مطابق ہر وہ چیز جو ہمارے سر پہ سایہ فگن ہو سماء کے معنوں میں مستعمل ہے۔ سماء کی ضد ارض ہے یعنی ایک چیز اپنے سے پست چیز کے مقابلے میں سماء ہے اور وہی چیز اپنے سے بلند چیز کے مقابلے میں ارض ہے اور یوں ہی دوسرا آسمان تیسرے کے مقابلے میں اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
زیر پر آ گیا تو یہی آسماں، زمیں

زمیں پر زندگی کے لئے ایک مناسب مقدار میں سورج کی روشنی درکار ہوتی ہے لہٰذا سورج سے زمین کا فاصلہ متناسب ہے جو انسانی زندگی کے علاوہ ہر جاندار کی حیات کے لئے مناسب اور موزوں ہے۔ سورج کے حوالے سے اقبال اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے

سورج سے ہمیں مناسب مقدار میں حرکت ملتی ہے جو ہماری زندگی کے لئے لازمی ہے اور ہماری صحت کے لئے بھی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چل رہا ہے یہی غالب اور خوب جاننے والے کی قدرت کا کرشمہ ہے"۔

فیثا غورث نے نظریہ پیش کیا کہ سورج ساکن اور زمین اس کے گرد محو حرکت ہے۔ بطلیموس نے اس کے برعکس زمین ساکن اور سورج متحرک کا نظریہ پیش کیا۔ ایک اور نظریے کے مطابق نظام شمسی سورج سمیت ایک اور سیارے کے گرد حرکت کر رہا ہے۔ اس صدی کے آغاز میں آئن

سٹائن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اس کائنات میں کوئی جسم ایسا نہیں جو ساکن ہو۔ اسلامی نقطہ نگاہ (قرآنی آیات سے اس بات کو ثبوت ملتا ہے) کے مطابق فلک اور زمین ساکن ہیں جب کہ سورج اور چاند متحرک ہیں۔

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلہ گردش زمیں میں نے
کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینہ عقل دور بیں میں نے

چاند زمین کا طواف کرتا ہے زمین کے گرد چاند کی اس حرکت کی وجہ سے بہت سے اہم نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق رات کو سمندروں میں مدوجزر پیدا ہونے کی وجہ چاند کی کشش ہے۔ اقبالؒ نے اس مفروضہ کی حقیقت کو یوں بیان کیا۔

تو معنی ''والنجم'' نہ سمجھا تو عجیب کیا
ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج

یہ بات مسلم ہے کہ چاند بذات خود روشن نہیں ہے۔ بلکہ بے نور ہے اور سورج سے اکتساب نور کرتا ہے۔ چاند میں جو داغ سے نظر آتے ہیں ان داغوں کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ بہت بڑے گڑھے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ چاند کی سطح پر غاریں ہیں۔ ایک سائنسی نظریے کے مطابق یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ چاند زمین کا ہی حصہ تھا لیکن سورج کی کشش سے زمین کا یہ حصہ جدا ہو کر اس کے گرد محو حرکت ہو گیا۔ اس وقت سے یہ زمین کے گرد حرکت میں ہے۔

پھر بھی اے ماہ مبیں! میں اور ہوں تو اور ہے
درد جس پہلو سے اٹھتا ہے پہلو اور ہے
جو میری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
یہ چمک وہ ہے جبیں جس سے تیری محروم ہے

علم نجوم:

سائنسی علوم بالخصوص علم الہیت کی بنیاد عہد نبوی ﷺ ہی میں پڑ گئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے ہی سے لوگوں میں یہ رجحان تھا کہ اچھی اور بری باتوں کو سیاروں کی گردش سے منسوب کیا جاتا تھا۔ علم ہیت ایسا علم ہے جو مشاہدات سے حاصل کیا جاتا ہے۔ مشاہدہ سے حاصل شدہ نتائج کو مفروضہ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ان مفروضوں کو تجربات کی روشنی میں قانون یا اصول بنایا جاتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اس لئے ان کی قدر و قیمت متعین نہیں کی جا سکتی ہے۔ قرآن نے ایک طرف اجرام فلکی کی سیر و گردش کے مشاہدے کا حکم دیا اور دوسری جانب اس بات کی بھی تلقین کی ہے کہ یہ ایمان نہ رکھا جائے کہ انسان کی زندگی بنانے یا بگاڑنے میں اجرام سماوی کا عمل دخل ہے۔ قرآن پاک نے تعقل کے عنصر پر خاص توجہ دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قران نے علم نجوم کی قیاس آرائیوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے سیاروں کے اثرات پر یقین رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ ہر شے کا اختیار اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ گویا ستاروں کے اثرات کو تسلم کرنا اور خدا پر ایمان لانا دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان میں سے جو سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان ہے وہ ان اثرات کو تسلیم نہیں کرتا۔

اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جانا
کہ ترے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اقبالؒ بھی علم نجوم کی قیاس آرائیوں کو باطل قرار دیتے ہیں۔ قدیم الہیت کی اساس علم نجوم پر ٹکی تھی، تجربات و حقائق کا اس علم سے تعلق نہیں تھا۔ مسلمانوں نے علم نجوم کو ترک کرتے ہوئے تجرباتی و تجزیاتی سائنس کا آغاز کیا۔ اقبالؒ اپنے اشعار میں اہل نجوم کی پیش گوئیوں کے خلاف ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک علم نجوم نے انسان کو تقدیر اور قسمت پر راضی برضا ہونے کا سبق دیا ہے، جس سے اس میں یہ رجحان پروان چڑھا کہ انسان کی قسمت میں جو کچھ لکھا جا چکا اب بدل نہیں سکتا۔ لہٰذا تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا ہے۔ یہ روش انسان کو بے عملی کا سبق دیتی ہے اور نظریہ جبر کی جانب لے جاتی ہے جبکہ اقبالؒ انسان کو عالم باعمل دیکھنا چاہتے ہیں۔

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں
ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان شروع ہی سے کائنات کی طبعی قوتوں کی پرستش کرتا ہے مثلاً برق وباراں، سورج، چانداور ستاروں کی پرستش، مشرق کے بہت سے ممالک میں عام تھی۔ یوں زرتشت کی تعلیمات کو فروغ ملا۔ جس میں ستاروں کی حرکات اور بروج کی مدد سے قسمت کا حال جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

علم کیمیا:۔

علم کیمیا میں مسلمان سائنس دانوں نے بہت سی ایجادات کیں جابر بن حیان نے گندھک اور شورے کا تیزاب، عمل کشید، عمل تبخیر، چمڑے رنگنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ بعدازاں مسلم سائنس دانوں نے بے شمار ایجادات کیں جس کی روشنی میں اہل مغرب نے علم کیمیا کو بام عروج عطا کیا۔

کیمیا میں نہ صرف پورے اسلامی دور میں بلکہ اس علم کی ابتداء سے ہی کیمیادان اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ایک کم قیمت دھات کو سونے میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یعقوب کندی وہ پہلا مسلمان سائنس دان ہے۔ جس نے اس بات کو رد کیا اور علم کیمیا کو ایسی بے بنیاد ایجادات کرنے پر علم باطل قرار دیا۔ جس میں کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس کے اقوال کے مطابق کسی کیمیائی تبدیلی سے پارے یا تانبے وغیرہ کو سونے میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا اور جو مہوس اس کا دعوی کرتے ہیں وہ محض شعبدہ باز ہوتے ہیں۔ بقول اقبالؒ

سنا ہے خاک سے تری نمود ہے لیکن
ہے سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

علم حیاتیات:

سائنس کی وہ شاخ جو جانداروں کے حالات سے بحث کرتی ہے، حیاتیات کے نام سے موسوم ہے پھر چونکہ جاندار اشیا جو دو حصوں میں یعنی نباتات اور حیوانات میں منقسم ہیں اس مضمون کے دو حصے رہ گئے ہیں۔ ان میں ایک حصہ نباتات ہے جو پودوں کی سائنس ہے اور دوسرا حصہ حیوانات کا ہے جو جانوروں کی سائنس ہے جس میں انسان بھی شامل ہے۔ اقبال نے علم حیاتیات کی اسی تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا تھا۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

اقبال مسلمان سائنس دان ابن مسکویہ کے نظریات سے بحث کرتے ہوئے پودوں کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کے مطابق نباتاتی زندگی اپنے ارتقا کے نچلے مدارج میں اپنی ابتدا اور افزائش نسل کے لئے کسی بیج کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس قسم کے نباتات جمادات سے مختلف ہوتے ہیں۔ صرف اس خفیف حرکت کی قوت کے باعث جو ان کی اعلیٰ اشکال میں زیادہ پیچیدہ ہوتی ہیں یعنی ان میں تنے، شاخوں اور پھلوں کے حصے جدا جدا نظر آتے ہیں اور خصوصی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے بعد وہ درخت ظاہر ہوتے ہیں جنہیں بہتر مٹی اور آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے''۔

یہ دنیا فانی ہے اور اس میں رہنے والے ذی روح جاندار اور بے جان کی حیات چند روزہ ہے لہٰذا جس مقصد کے لئے انہیں اس دنیا میں مبعوث کیا گیا وہ پورا ہونا لازمی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی۔ زمین شدید زلزلے سے اٹھے گی۔ ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال پھینکے گی۔ خزانے زمین سے باہر نکل آئیں گے۔ یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر انسان سوچے گا یہ زمین کیوں دہل رہی ہے؟

(الزلزال، آیات 1-3)

زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے

نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے

مسلمانوں نے ظہور اسلام کے بعد ڈیڑھ سو سال تک سائنسی علوم، علم ہیئت، ریاضیات اور علم کیمیا میں مستند معلومات حاصل کیں۔ یہ سائنسی علوم کی ارتقا کا ابتدائی دور تھا۔ مسلمانوں نے یونانیوں کے علوم سے استفادہ کیا، ان کی تصحیح کی اور ان کے علوم کی از سر نو تجدید کی۔ بہت سے فرسودہ خیالات، نظریات اور عقائد کا رد کیا۔

استقرائی طرز استدلال کو فروغ دیا جو قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ 700ھ سے 1300ھ تک کا عرصہ مسلمانوں کے بام عروج کا دور تھا۔ اس دور میں اندلس، قرطبہ، بغداد اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک علوم و فنون کے مرکز بنے رہے اس دور میں با قاعدہ مستند کتابیں تحریر کی گئیں جن سے بعد میں اہل مغرب نے بھرپور استفادہ کیا۔

اقبالؒ کے نزدیک اس کائنات کی تسخیر کے لئے ضروری ہے کہ انسان آیات الٰہیہ پر غور و فکر کرے اور ایسے ذرائع تلاش کرے جن کی بدولت وہ فی الحقیقت فطرت پر غلبہ پا سکے۔ اقبالؒ مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ جدید مغربی علوم کے حصول پر بھی زور دیتے ہیں آج مغرب نے سائنس کے میدان میں کافی ترقی کر لی ہے۔ اب اہل مشرق سائنس کے میدان میں اہل مغرب کی کوششوں کے محتاج ہو گئے ہیں یہی صورتحال کبھی اہل مغرب کی تھی کہ جب وہ سائنسی علوم کے حصول کو باعث عار تصور کرتے تھے۔ دور جدید میں سائنسی علوم کا حصول وقت کی اہم ضرورت ہے لہٰذا اقبالؒ کے نزدیک دینی علوم کے حصول کے علاوہ سائنسی علوم کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔

(بشکریہ! روزنامہ نوائے وقت)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف وکرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت رواصرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد واذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چاردیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب ونظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہو۔

8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہوجانے کی۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Website: www.toheedia.net